فیوضاتِ غوثیہ
ذخیرہ
کتب خانۂ غوثیہ مہریہ جی۔ٹی روڈ، جادہ جہلم

ایک قریشی، ہاشمی، علوی

عِلمی اور درویش خاندان کی سوانح حیات

فیوضاتِ غوثیہؒ

ترتیب و تالیف

۱۔ ابوالفتح قاضی غلام محمود ہزاروی مولوی فاضل، منشی فاضل

حال خطیب جامع مسجد عید گاہ جہلم

۲۔ مفتی سیف الرحمٰن ہزاروی۔

۳۔ مولوی غلام سرور۔ جادوی جہلمی

ناشر

کتب خانہ غوثیہ مہریہ جی ٹی روڈ جادہ جہلم

از قلم مولوی غلام سرور جادودی جہلمی غفرلہ

علامۂ زماں فخر دوراں شیخ الحدیث ابو الفتح علامہ قاضی غلام محمود صاحب محدث ہزاروی
مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ ہمارے جدِ اعلیٰ حضرت مرزا شیخ گل بیگ صاحب رحمۃ اللہ علیہ
وادیٔ کاغان کے کسی قریبی دیہات سے تشریف لائے اور موضع کھلابٹ میں آکر آباد ہوئے
یہ بزرگ گاؤں کی ابتدائی آبادی کے وقت تشریف لائے تھے۔ حضرت علامہ مفتی سیف الرحمٰن
صاحب ہزاروی نے فرمایا۔ کہ ہمارے پاس انگریزی کاغذات موجود ہیں جن میں سے ایک
صورتِ دیہی ہے۔ جس میں ہمارے بزرگوں کا مکمل شجرہ نسب درج ہے اور اس کے نیچے
فٹ نوٹ ہے جس کا مضمون یہ ہے۔

اس خاندان کا بڑا گاؤں کی ابتدائی آبادی کے وقت آکر اس گاؤں میں آباد ہوا اور
لوگوں کا پیشوا مقرر ہوا۔

اور آج تک اس خاندان کو لوگ اپنا پیشوا اور بزرگ تسلیم کرتے ہیں۔ اور اس کے
تقدس وعظمت کے بے حد معتقد ہیں۔ حضرت مرزا شیخ گل بیگ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے
صاحبزادے حضرت شیخ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ لوگوں میں اخوند کے نام سے مشہور تھے
حضرت علامہ قاضی صاحب اور حضرت علامہ مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ بزرگوں سے
سنا گیا ہے کہ ہمارے کنوئیں کے متصل درخت نارنج والا قطعۂ زمین ان کے وقت سے ورثہ
بورثہ چلا آرہا ہے۔ بسا اوقات اس زمین میں جمعرات کو روشنی دیکھی گئی ہے۔

کہتے ہیں کہ حضرت شیخ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پانچ سو گائیں تھیں۔ جو
کسی نگران اور محافظ کے بغیر خود بخود قریبی پہاڑ میں چر کر اپنے ڈیرے پر واپس آجاتی تھیں
اور راستے میں آتے جاتے کسی کا کچھ نقصان نہیں کرتی تھیں۔ لیکن معتبر اشخاص مثلاً حیات خان
بابا مرحوم کھلابٹ) کی زبانی معلوم ہوا ہے۔ کہ انہوں نے بیداری میں اذانِ فجر کے بعد پانچ
تیز رفتار گھوڑے دیکھے کہ جن پر پانچ آدمی سوار تھے۔ پہلے گھوڑے پر حضرت شاہ شبیر محمد
صاحب غازی رحمۃ اللہ علیہ داڑی والے۔ دوسرے پر حضرت باحقانی شاہ صاحب رحمۃ
اللہ علیہ پہاڑ والے۔ تیسرے پر پہاڑے چہاڑ والے بزرگ رحمۃ اللہ علیہ۔ چوتھے پر حضرت
شاہ فتح خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ اور پانچویں پر شیخ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(حضرت قبلہ قاضی صاحب کے جدامجد)

ضروری نوٹ

یہاں چند باتیں یاد رکھنے کے قابل ہیں (۱) حضرت بابا حقانی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ رشتہ میں حضرت شاہ شیر محمد صاحب غازی رحمۃ اللہ علیہ کے چچا ہیں۔ اوّل الذکر بزرگ نقشبندی طریقہ رکھتے ہیں۔ اور ثانی الذکر بزرگ چشتی طریقہ کے حامل ہیں اور دونوں صاحب کرامات بزرگ ہیں۔

(۲) پہاڑے چھاڑو والے بزرگ لنبیا گجر تھے۔ اور چھوٹی عمر کے تھے کہ حضرت شاہ شیر محمد غازی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جایا کرتے تھے اور حضرت کو دودھ لا کر دیا کرتے تھے۔ اور اکثر حضرت کی خدمت میں بیٹھے رہتے تھے۔ گھر والے خصوصاً والد ناراض ہوتے مگر ان کے عشق و محبت میں کوئی فرق نہ آتا۔ ایک دن دیسی روٹی لائے۔ والد نے جب دیکھا تو لاٹھی لے کر پیچھے دوڑا اور یہ بھاگ کر درختوں اور جھاڑیوں کے جھنڈ میں دوڑتے ہوئے تیزی سے چھلانگ لگا کر وہیں زندہ غائب ہو گئے۔ یہ مقام موضع کھلابٹ سے مغرب کی جانب پنشمواں کے قریب ہے۔

۳۔ حضرت شاہ فتح خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مزار پرانوار ٹیکسلا میں ہے۔ اور زیارت گاہ خلائق ہے۔ بیرون کھلابٹ جنوب کی طرف ان کی بیٹھک ہے۔ لوگوں میں مشہور ہے کہ حضرت یہاں آکر بیٹھتے تھے۔ بیٹھک کے آس پاس بارہ کنال زمین ہے۔ آج تک کوئی اسے کاشت نہیں کر سکا۔ اس میں بہت سے درخت ہیں کسی کو ان کے کاٹنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ گاؤں کے ایک رئیس نے وہاں سے بیری کا درخت کاٹا تو وہیں اسے پاؤں میں خارش ہوئی اور باریک سی پھنسی نمودار ہوئی۔ جو رفتہ رفتہ بڑا پھوڑا بن کر پوری ٹانگ پر پھیل گئی۔ جس کی وجہ کی سے وہ ہلاک ہو گیا۔ اس کے بعد لوگ اور زیادہ ڈر گئے۔ اور وہاں کی چیزوں سے چھیڑ چھاڑ بالکل چھوڑ دی۔ حضرت شاہ فتح خان صاحب علیہ الرحمۃ کی جائے نشست میں جو درخت ہیں ان سے بخار والے مریض چھال اتار کر گلے میں ڈالتے ہیں۔ تو انہیں اللہ تعالیٰ شفا عطا فرماتا ہے۔ یہ بات عام لوگوں کے تجربہ میں آچکی ہے۔ جس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

(۴) حضرت علامہ مفتی سیف الرحمٰن صاحب ہزاروی کے جد امجد حضرت عبدالعزیز صاحب رحمۃ کے ساتھ قطب الاقطاب حضرت شاہ شیر محمد صاحب غازی علیہ الرحمۃ کو بے حد محبت تھی۔ جس کی وجہ سے ان کو روحانی طور پر ہمیشہ ساتھ رکھتے تھے۔ ان بزرگوں کی معیت کا انعام بارہا مشاہدہ کر چکے ہیں۔

(۵) قطب الاقطاب حضرت شاہ شیر محمد صاحب غازی علیہ الرحمۃ کا مزار پر انوار ارلی نامی گاؤں کے متصل مرجع خلائق ہے۔ دور دراز سے لوگ زیارت کے لئے آتے ہیں۔ ہر جمعرات کو مزار پر لوگوں کا اچھا خاصا ہجوم ہوتا ہے۔ دو قسم کے مریض وہاں کثرت سے دیکھے جاتے ہیں (۱) اندھے (۲) کوڑھی۔ یہ لوگ مہینوں مزار شریف پر رہتے ہیں اور حضرت کے طفیل اللہ تعالیٰ انہیں شفا عطا فرماتا ہے۔ لوگوں میں مشہور ہے کہ سات جمعرات لگاتار حضرت کے مزار پر جائے تو حضرت کی برکت سے ٹھیک ہو جاتا ہے۔ حضرت کے مزار پر آنکھوں کے مریض تو اب بھی کثرت سے جاتے ہیں اور شفا پاتے ہیں۔ سینکڑوں واقعات اس قسم کے مریضوں کے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ البتہ اب کوڑھی کچھ کم جاتے ہیں۔ نہ معلوم اس کی کیا وجہ ہے۔ بہرحال جو جاتے ہیں ان پر فیض ضرور ہوتا ہے۔ حضرت کی سخاوت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ ہاں البتہ اعتقاد کمزور ہے۔

حضرت علامہ مفتی سیف الرحمٰن صاحب ہزاروی کہتے ہیں۔ کہ ہمارے گاؤں لابیٹ کے ایک شخص کالا نامی (جو کہ خان محمد زمان خان صاحب کا گھوڑے بان تھا) کی نظر کسی عارضہ کی وجہ سے جاتی رہی۔ لوگوں نے اسے ڈاکٹروں کے پاس جانے کو کہا مگر وہ روحانی طبیب شاہ شیر محمد صاحب غازی علیہ الرحمۃ کے مزار شریف پر چند ماہ لگاتار جاتا رہا۔ کچھ ماہ جانے کے بعد گاؤں والوں نے دیکھا کہ اس کی نظر بالکل ٹھیک ہو گئی ہے۔ آنکھوں میں ازسرِ نو بینائی لوٹ آئی۔ بعد میں، اس نے جانا ترک کر دیا اور دنیا کے کاروبار میں مشغول ہو گیا۔ اس کو متنبہ بھی کیا گیا۔ مگر باز نہ آیا۔ آخر پھر بینائی جاتی رہی۔ پھر اس کو ہوش آیا۔ اور پھر مزار شریف پر جا کر سخت رویا اور عرض کی کہ آئندہ

کبھی ایسا نہیں کروں گا۔ رات کو سو گیا۔ جب صبح اٹھا تو اس کی نظر بالکل ٹھیک تھی۔

حضرت علامہ مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ ایک شخص بابا صبغتہ اللہ کی نظر بھی کسی وجہ سے جاتی رہی تھی وہ حضرت کے مزار شریف پر حاضر ہوا اور عرض کی۔ کہ اگر مجھے اللہ تعالیٰ نے نظر دے دی تو میں آپ کے مزار پر قرآن پاک ختم کروں گا۔ آخر اس کی نظر ٹھیک ہو گئی اور اس نے حضرت کے مزار پُر انوار پر قرآن پاک ختم کیا۔ حضرت نے اس بابا صبغتہ اللہ کو فرمایا کہ تمہاری آواز پیاری ہے تم یہاں ہی رہو اور میرے پاس قرآن پاک پڑھتے رہو۔ بابا صبغتہ اللہ نے اس کی خاص پروا نہ کی اور واپس جانے کے لئے روانہ ہوا۔ تھوڑی دور ہی پہنچا تھا کہ اس کی نظر دوبارہ جاتی رہی۔ پھر وہ حضرت کے مزار پر حاضر ہوا اور آکر دُعا کی اور اس کو شفا مل گئی۔ پھر وہ واپس لوٹا تو اس کی نظر پھر بند ہو گئی۔ حضرت کے مزار پر آکر دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے پھر اسے بینائی دے دی۔ چند دفعہ ایسا کرنے کے بعد آخر اس شخص نے وہاں ہی قیام اختیار کیا۔ اور آخر وقت تک وہاں ہی رہا۔ پھر وہیں فوت ہوا اور وہیں اس کی قبر بنی۔

معلوم ہو کہ آنکھوں کے مریض وہاں کے درخت پھلائی کے پتے گھوٹ کر ان کا پانی آنکھوں میں ڈالتے ہیں۔ نیز وہاں کے چراغوں کی سیاہی بھی آنکھوں میں لگاتے ہیں تو یہ بھی ان کی خراب آنکھوں کی شفا کا ذریعہ بنتی ہیں۔

حضرت شاہ شیر محمد غازی علیہ الرحمتہ مشہد شریف (ایران) سے تشریف لائے تھے۔ ان کے مرشد برحق شیخ المشائخ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ جو سلطان الاولیاء حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے، تو اس طرح حضرت شاہ شیر محمد غازی رحمتہ اللہ علیہ چشتی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ جب آپ اس علاقہ میں تشریف لائے تو پانچ سو طالب علم آپ کے ہمراہ تھے۔ داڑی نامی گاؤں میں جس مکان کے اندر آپ کا قیام تھا اس میں کوانخ کا درخت تھا۔ وہاں اب بھی اس درخت کی جڑوں سے پھوٹا ہوا کوانخ کا درخت

موجود ہے۔ حضرت شیخ عبد العزیز صاحب علیہ الرحمۃ کا مزار شریف کھلابٹ کے قبرستان
معروف بہ بیریاں والا قبرستان میں واقع ہے۔ حضرت شاہ شبیر محمد صاحب غازی رحمۃ اللہ علیہ
کے مزار شریف سے علامہ قاضی صاحب مدظلہ العالی کے خاندان کو بہت فیض پہنچا ہے۔ حضرت
علامہ قاضی غلام محمود صاحب خطیبِ اعظم جہلم فرماتے ہیں کہ ہمارے دادا حضرت مولانا مظہر جمیل
صاحب رحمۃ اللہ علیہ فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ لے کر آپ کے مزار شریف پر حاضر ہوا کرتے تھے
تو آپ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شاہ شبیر محمد صاحب علیہ الرحمۃ نے سفید مرغ آپ کو
دیا ہے۔ اور حضرت علامہ مفتی سیف الرحمٰن صاحب ہزاروی یوں فرماتے ہیں کہ حضرت دادا
صاحب علیہ الرحمۃ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شاہ شبیر محمد صاحب علیہ الرحمۃ تشریف فرما
ہیں اور اچانک ایک سفید مرغ اڑتے ہوئے ان کے پاس سے گزرا تو شاہ صاحب نے ارشاد
فرمایا کہ مولوی صاحب اس کو پکڑ لو۔ پس دادا صاحب نے اس کو پکڑ لیا۔ جب حضرت مولانا
محمد مظہر جمیل صاحب علیہ الرحمۃ بیدار ہوئے تو اس کی تعبیر فرمائی کہ حضرت شاہ صاحب نے
کتاب ہدایہ مجھے دے ڈالی ہے۔ بس یہ اسی روحانی فیض کا نتیجہ تھا کہ آپ فقہ میں بہت
بلند پایہ شخصیت کے مالک تھے اور لوگوں میں فقیہ العصر کے ممتاز لقب سے مشہور تھے
یوں ہی اس مزار شریف سے علامہ قاضی غلام محمود صاحب اور آپ کے والد صاحب شیخ الاسلام
سلطان المناظرین حضرت علامہ قاضی محمد عبد السبحان صاحب ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی
فیض پہنچا ہے۔ حضرت قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ ہم کتابیں لے کر کئی دفعہ مطالعہ کے
لئے وہاں حاضری دیتے رہے ہیں اور بہت فیض پاتے رہے ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ قاضی محمد عبد السبحان صاحب علیہ الرحمۃ کے دادا غوثِ وقت حضرت
مولانا محمد غوث صاحب علیہ الرحمۃ نے حضرت علامہ مولانا مفتی شرف الملت والدین رامپوری
رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھا ہے۔ جو رامپور کی ریاست میں بڑے مفتی اور مدرسہ عالیہ میں
صدر مدرس تھے۔ رامپور کی ریاست ایک اسلامی اور علمی ریاست تھی۔ وہاں کے تمام نوابوں
کو علوم دینیہ سے بہت شفقت و محبت تھی۔ حضرت علامہ مفتی شرف الملت والدین علیہ الرحمۃ
سے اس وقت کے وہابیوں نے عقائد کے بارے میں ایک (رسالہ) سوالات کئے تھے۔ جن کے

کے جوابات آپ نے تحریر فرما دیئے تھے۔ ان میں سے چالیس سوالات کے جوابات قلمی حضرت علامہ قبلہ قاضی غلام محمود صاحب ہزاروی کے پاس اب تک موجود ہیں۔ جو کہ فارسی زبان میں ہیں۔ اور نہایت اعلیٰ درجہ کی تحقیقات پر مشتمل ہیں۔ علم فلسفہ کی مشہور کتاب صدرا کے ایک نہایت مشکل مقام مثناۃ بالتکریر پر مختلف اہلِ تحقیق نے بارہ تقریریں لکھی ہیں جو مطبع مجتبائی (دہلی) والے صدرا کے آخر میں لگی ہوئی ہیں، ان میں ایک تقریر علامہ زماں حضرت مولانا مفتی شرف الملت والدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔

حضرت علامہ قاضی غلام محمود صاحب ہزاروی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ ہمارے پڑدادا حضرت علامہ مولانا محمد غوث صاحب علیہ الرحمۃ جیسا کہ والد صاحب علیہ الرحمۃ نے فرمایا تھا لکھنؤ میں ایک عالم کے پاس پڑھتے تھے وہ عالم صاحبِ کشف بزرگ تھے ان کو ایک دفعہ پیٹ میں تکلیف ہوگئی اور حضرت مولانا محمد غوث صاحب نے چھ ماہ تک ان کی ایسی خدمت کی کہ ان کا پاخانہ بھی خود اٹھا کر باہر لے جایا کرتے تھے۔ جب ان کو آرام ہوا۔ تو انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا کہ ادھر چلے جاؤ۔ ان کے اشارے کے مطابق آپ چل نکلے۔ تو جس طرف ان کے استاد صاحب کا اشارہ تھا اُس طرف آگے ریاست بھوپال واقع تھی۔ جب آپ ریاست بھوپال میں داخل ہوئے تو اس وقت بھوپال کی حاکمہ ایک عورت تھی جو ملکہ بھوپال کہلاتی تھی۔ ریاست میں اسلامی حکومت قائم تھی اور احکام شرعی بتانے کے لئے علماء مقرر ہوتے تھے۔ اتفاق سے ان دنوں قاضی القضاۃ کے عہدہ کے لئے ریاست کے علماء میں اختلاف تھا۔ آخر ملکہ بھوپال نے اربابِ حکومت سے مشورہ کر کے یہ اعلان کر دیا تھا کہ کل باہر سے جو عالم میری ریاست میں داخل ہو اس کو قاضی القضاۃ بنا دیا جائے گا۔ دوسرے روز حضرت علامہ مولانا محمد غوث صاحب علیہ الرحمۃ ریاست میں داخل ہوئے تو ملکہ کے اعلان کے مطابق آپ کو قاضی القضاۃ (وزیرِ اعظم) بنا دیا گیا۔

حضرت کے ریاست میں پہنچنے کی دوسری روایت جو کہ علامہ مفتی سیف الرحمٰن صاحب ہزاروی بیان فرماتے ہیں۔ اس کی تفصیل یوں ہے۔ کہ حضرت علامہ مولانا

محمد غوث صاحب علیہ الرحمتہ تھوڑی مدت میں درسِ نظامی پر سرسری عبور حاصل کر کے گھر واپس آ گئے۔ موضع کھلابٹ میں ایک ممتاز بزرگ اخوند صاحب کی اولاد میں سے تھے۔ جو صاحب کشف ہونے کے علاوہ علم جفر میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور حضرت مولانا محمد غوث صاحب کے والد حضرت اعظم دین صاحب کے خصوصی دوست تھے۔ ان کو جب مولانا محمد غوث صاحب کے فارغ ہونے کا علم ہوا تو بڑے خوش ہوئے حسن اتفاق سے ایک جنازہ کے بعد دونوں کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے حضرت مولانا محمد غوث صاحب سے علوم عقلیہ کے بارے میں چند سوالات کئے تو آپ جواب نہ دے سکے۔ وجہ یہ کہ حضرت نے اس طرف توجہ ہی نہ کی تھی۔ حضرت محمد غوث صاحب کے جواب نہ دینے پر ان کو سخت صدمہ ہوا۔ اور حضرت اعظم دین صاحب سے فرمانے لگے کہ میں نے سمجھا تھا کہ آپ کا صاحبزادہ پڑھ کر آیا ہے مگر یہ تو ابھی تشنۂ تکمیل ہے۔ میرے خیال میں اس کو دوبارہ پڑھنا چاہیئے کہ یہ کیا کرتا رہا۔ جب حضرت محمد غوث صاحب امتحان دینے میں ناکام ہوئے تو دل میں غیرت پیدا ہوئی پھر وہیں سے گھر لوٹنے کی بجائے ہندوستان چلے گئے۔ حسن اتفاق سے ایک مقتدر عالم کے پاس پہنچے کہ جو درس و تدریس میں بڑے مشہور اور ممتاز شخصیت رکھتے تھے۔ اور صاحب کشف و کرامت بھی تھے۔ یہ بزرگ اویسیہ طریقہ رکھتے تھے ان کے پاس تقریباً سو طالب علم تھے۔ اتفاق سے یہ مرض اسہال میں مبتلا ہو گئے۔ طالب علموں نے دو چار دن تک استاذ کی صحت کا انتظار کیا۔ جب دن بدن مرض بڑھتا گیا تو طالب علم مایوس ہو کر یکے بعد دیگرے چلے گئے۔ حتیٰ کہ حضرت محمد غوث صاحب رہ گئے۔ باقی کوئی طالب علم وہاں نہ رہا۔ آپ نے دل میں خیال کیا اگر میں بھی چلا گیا تو حضرت استاذ صاحب کا کیا ہوگا۔ اور ان کو کون سنبھالے گا۔ ان کو اکیلا مرض میں چھوڑ دینا بڑی بے وفائی ہے پڑھنے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ آدمی ادائیگی حقوق میں کوتاہی نہ کرے۔ اس خیال نے حضرت موصوف کو خدمت استاذ پر مجبور کیا وہ پورا ایک سال بیمار رہے اور وفادار شاگرد نے ان کی خدمت میں کوئی کمی نہ چھوڑی۔

بلکہ حق خدمت کو پورے طور پر بجا لائے۔ اور اپنے استاذ کو ذرا تکلیف نہ ہونے دی۔ دو سال گزرنے کے بعد وہ ٹھیک ہو گئے۔ تندرست ہونے کے بعد فرمایا بیٹا میں نے تیرے اندر جوہر وفاداری پایا ہے اب یہ فکر نہ کرنا کہ میرا سبق ناغہ ہو گیا ہے۔ ساتھی کہیں کے کہیں چلے گئے ہوں گے اللہ تعالیٰ تجھ کو فوقیت دے گا۔ چنانچہ مشفق استاذ نے پڑھائی شروع کرا دی۔ پڑھانے کا طریقہ یہ تھا۔ کہ ہر روز فرماتے کہ فلاں کتاب لے آؤ۔ اس کے لئے فلاں فلاں کتاب کارآمد ہے۔ اسے بھی دیکھو۔ بس ہر روز بہت سی کتابیں حل ہو جاتیں۔ جس کتاب کے بارے فرماتے وہ حضرت پر منکشف ہو جاتی اور سینہ میں بے شمار علوم مخفیہ موجزن ہو جاتے۔ الغرض چند مہینوں میں تمام علوم پر عبور حاصل ہو گیا۔ بلکہ جملہ علومِ عقلیہ و نقلیہ کے شیخ کامل ہو گئے۔ علومِ ظاہری کے بعد علوم باطن کی طرف متوجہ ہوئے۔ باطنی علوم میں بھی مشفق استاذ نے دستگیری فرمائی۔ اور ان سے طریقۂ اویسیہ میں بیعت ہو گئے۔ حضرت استاد صاحب نے خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔ جب علومِ ظاہری و باطنی سے فارغ ہوئے تو وطن لوٹنے کی خواہش پیدا ہوئی تو محترم استاذ صاحب سے اجازت مانگی۔ فرمایا وطن نہ جاؤ بلکہ تم ریاست بھوپال چلے جاؤ۔ خیال آیا کہ ریاست بھوپال میں نے آج تک نہیں دیکھی۔ اور نہ ہی میرا وہاں کوئی واقف ہے تو کیسے گذر ہو گی۔ مگر پاسِ ادب کی خاطر کچھ نہ کہا اور حضرت استاذ صاحب کے فرمان پر لبیک کہتے ہوئے ریاست بھوپال کا رخ کیا۔ رات کو ریاست میں داخل ہوئے تو والئ ریاست کی سرائے میں ٹھہرے۔ جب صبح ہوئی تو والئ ریاست کا ملازم سرائے میں آیا اور باآواز بلند کہنے لگا کہ یہاں کوئی ہزارہ کا رہنے والا مولوی صاحب ہے۔ حضرت نے سوچا مجھ سے اس کی کیا غرض۔ سیکڑوں اور ہوں گے اس وجہ سے آپ نہ بولے آخر وہ پکارتے پکارتے حضرت کے پاس آگیا۔ پاس آکر پھر اس نے دو تین آوازیں دیں پھر حضرت بولے میں ہزارہ کا رہنے والا ہوں۔ وہ کہنے لگا کہ خدا کے بندے میں اتنی دیر سے پکار رہا ہوں تم کیوں خاموش رہے۔ جلدی کرو تمہیں والئ ریاست نے یاد کیا ہے۔ میرے ساتھ چلو۔ پھر حضرت کو وہ ساتھ لے گیا۔ اور ملکہ کے حکم کے مطابق

حضرت کو قاضی القضاۃ (وزیر اعظم) بنا دیا گیا۔
ریاست میں یہ عہدہ وزیر اعظم کے منصب کے برابر تھا اور ریاست کے وزیر اعظم کو قاضی القضاۃ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

بہرحال حضرت مولانا محمد غوث صاحب علیہ الرحمۃ کو وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ سونپ دیا گیا۔ ریاست کے مقامی علماء نے جب یہ دیکھا کہ ایک بیرونی شخص کو اتنے بڑے عہدے کا منصب دے دیا گیا ہے تو وہ بگڑ بیٹھے۔ بالآخر آپس میں مشورہ کرنے کے بعد یہ طے پایا کہ ہم اس نو وارد سے مناظرہ کریں گے، اگر یہ جیت گیا تو پھر اس کو اس عہدے پر قائم رکھا جائے اور اگر ہم جیت گئے تو پھر اس کو عہدۂ قضاء سے معزول کیا جائے اور ہم میں سے کسی کو یہ عہدہ دیا جائے بالآخر ریاست کے سو عالموں نے میٹنگ کی اور ملکہ نے حضرت کو بلا کر پوچھا کہ آپ مناظرہ کے لیے تیار ہیں تو آپ نے فرمایا کہ تیار رہیں۔ چنانچہ مناظرہ کی تاریخ مقرر ہو گئی۔ ریاست کے علماء نے اپنی میٹنگ میں یہ طے کیا کہ جو عالم جس علم میں ماہر ہو وہ اس علم کا سوال کرے۔ آخر مقررہ تاریخ پر لوگوں کے مجمع میں ان مولویوں نے حضرت سے کئی سوالات کئے۔ آپ فرماتے تھے کہ پہلے تو میں گھبرا سا گیا تھا۔ کیونکہ ایک تو یہ معلوم نہ تھا کہ وہ کون سا سوال کریں گے اور کس علم کا سوال کریں گے۔ اور دوسرا یہ کہ اس وقت میرے پاس کوئی کتاب نہ تھی۔ بلکہ یادداشت سے جواب دینے تھے۔ تو وہ لوگ جب کوئی سوال کرتے تو خدا کے فضل و کرم سے اور اس بزرگ (اپنے استاد و پیر) کی دعا و برکت سے میرے سامنے ایک تختہ (بورڈ) آجاتا تھا۔ جس پر جلی قلم سے اس سوال کا جواب لکھا ہوتا تھا۔ وہ تختہ صرف مجھے نظر آتا تھا اور میں اس جواب کو پڑھ کر ان کو سنا دیتا تھا۔ اور جب ان کے تمام سوالات ختم ہو گئے اور ہر ایک کا شافی و کافی جواب انہیں مل گیا تو ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ سب کے سب قدموں پر گر گئے اور کہنے لگے کہ تم مولوی نہیں ہو صاحب کشف و کرامت ولی اللہ ہو۔ کہ اتنے سوالات کے جوابات جن کو ہم کافی چھان بین اور غور و خوض کے بعد تیار کر کے لائے تھے۔ یادداشت سے دینا کسی عالم کا کام نہیں ہے۔ تو

اس طرح حضرت علامہ مولانا محمد غوث صاحب علیہ الرحمۃ کا ریاست میں سکہ بیٹھ گیا
پھر وہ علماء آپ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ جب آپ ریاست میں اس عہدہ پر فائز
تھے۔ تو بیرون ریاست سے نامور علماء آپ کو خطوط بھیجتے تھے جو عربی اور فارسی
میں ہوتے تھے۔ جن میں بڑے بڑے القاب سے آپ کو یاد کیا جاتا تھا۔ وہ خطوط
اب تک حضرت علامہ مفتی سیف الرحمٰن صاحب ہزاروی کے پاس موجود ہیں ان خطوط
میں اس وقت کے نامور عالم مولانا تراب علی صاحب جنہوں نے علمِ منطق کی مشہور اور
عظیم کتاب قاضی مبارک پر حاشیہ لکھا ہے۔ اور اس کے علاوہ اور بہت سی کتابوں کے
مصنف ہیں۔ ان کے خطوط بھی ہیں۔ اور یوں ہی دہلی کے مشہور عالم مفتی صدرالدین خان
صاحب جیسے علماء کے خطوط بھی ہوتے تھے۔ عرصہ تک آپ کا یہ سلسلہ جاری رہا
اور بعد میں پیچھے سے آپ کا سوتیلا بھائی محمد کلیل ڈاکٹر سید محمود کا دادا آپ کے پاس
پہنچا اور کہنے لگا کہ میں فریادی بن کر آیا ہوں کہ دریائے سندھ کے پار سے امانِ زئی
سے پٹھان آ گئے ہیں۔ جنہوں نے ہماری زمین چھین لی ہے اور ہمارا وہاں رہنا مشکل ہو
گیا ہے۔ اس لئے جب تک آپ نہیں جاتے ہم وہاں نہیں رہ سکتے۔ اس نے بہت منت
سماجت کی تو آپ کو اس کی حالت پر ترس آ گیا اور آپ نے واپس وطن جانے کی تیاری
کر لی۔ اس زمانے میں ریل گاڑی یا موٹریں تو نہیں ہوتی تھیں صرف بیل گاڑیاں چلتی تھیں
آپ نے ان بیل گاڑیوں پر جنہیں کرنچی کہتے ہیں اپنا سامان لاد لیا۔ جب آپ صوبہ گجرات
پہنچے (جو اب ہندوستان میں ہے) تو آپ ان ہتھیاروں کو جو آپ کے پاس تھے تیز
کرانے کے لئے گجرات (ہندوستان) تشریف لے گئے اور وہ سامان سے لدی ہوئی گاڑیاں
سڑک پر کھڑی کر دی گئیں۔ اور آپ نے محمد کلیل کو ہدایت کی کہ جب تک میں واپس نہ آؤں
یہاں ہی ٹھہرنا۔ لیکن جب آپ چلے گئے تو محمد کلیل نے گاڑی بانوں سے مل کر گاڑیاں چلا
دیں۔ جب آپ ہتھیار تیز کرا کے واپس آئے اور بھائی کو بمعہ سامان نہ پایا تو آپ اس
کی خیانت کو تاڑ گئے۔ اور فوری طور پر کرایہ دار گاڑی پر سوار ہوئے اور بھاگنے
والوں کا تعاقب کیا اور گاڑی اتنی تیز چلی کہ ان کو پا لیا۔ جب ان کو پکڑنے میں

بیتاب ہو گئے تو حضرت نے اپنے بھائی محمد کلیل کو مخاطب کر کے فرمایا کہ سر قلم کرانے کے لئے تیار ہو اور گاڑی بانوں کو بھی فرمایا کہ تمہیں بھی نہ چھوڑوں گا۔ آخر وہ سب آپ کے قدموں پر پڑے اور معافی مانگنے لگے۔ جب بھائی اور گاڑی بانوں کی آہ وزاری حد سے بڑھ گئی تو حضرت نے انہیں معاف کر دیا اور ان کے ساتھ ہی وطن آئے اور اپنے بھائی کو اپنے آپ سے علیحدہ کر دیا۔

حضرت صاحب علیہ الرحمتہ ریاست بھوپال سے چند ہتھیار ساتھ لائے جو کہ یہ تھے (۱) تلوار (۲) چھرا (۳) پشکوز۔ تلوار اب تک علامہ مفتی سیف الرحمٰن صاحب کے پاس موجود ہے۔ اس کے دستے پر سونے کا پانی چڑھا ہوا ہے۔ دوسرے ہتھیار ضائع ہو گئے ہیں۔ آپ تیر کمان بھی اپنے ساتھ لائے تھے اور اب وہ بھی ضائع ہو گئے ہیں۔

حضرت علامہ محمد غوث صاحب علیہ الرحمتہ جب اپنے وطن واپس آئے سات کڑے (علاقہ ہزارہ میں ایک پیمانہ ہے) جسے پنجابی میں ٹوپہ کہتے ہیں) لعل سونے کی اشرفیاں اور پونڈ لائے تھے جس کی وجہ سے حضرت کو مال و دولت کی کوئی ضرورت نہ تھی اور نہ کسی کی چیز کی طرف دھیان کرتے تھے۔ یہ بات حضرت قبلہ قاضی غلام محمود صاحب نے اپنی نانی مرحومہ سے سنی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ جب مجھے بیاہ کر لایا گیا تو میں نے دیکھا کہ مٹی کی بڑی بڑی دیگیں ہیں جن میں چاندی کے روپے ڈال کر ان کو بھر دیا جاتا اور مٹھیوں سے روپے نکالے جاتے تھے اور جب وہ ختم ہونے کے قریب ہوتے تو اور روپے ڈال دیئے جاتے اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہتا۔ حضرت صرف چھوٹا گوشت کھاتے، موٹا گوشت استعمال نہیں کرتے تھے اور کسی بے دین آدمی کے ہاتھ کا ذبیحہ بھی نہیں کھاتے تھے اس واسطے حضرت نے ایک دیندار قصاب اپنے لئے الگ مقرر کر رکھا تھا جو ان کے لئے ہر دوسرے تیسرے روز بکرا ذبح کرتا اور آپ اس کا گوشت کھاتے۔ ہمیشہ آپ کے لئے الگ ہانڈی پکائی جاتی۔ آپ اکثر پلاؤ کھایا کرتے تھے۔ جب آپ اپنے وطن میں اپنے گھر تھے۔ تو ریاست بھوپال سے ایک شخص آپ کو ملنے آیا تو اس نے دیکھا کہ آپ ستھرے (ایک قسم کی خودرو گھاس ہے جس کو ہمارے ملک میں مسجدوں کے اندر بچھاتے ہیں) پر بیٹھے ہوئے ہیں۔

دیکھنے والے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کہنے لگا کہ ایک وہ وقت تھا جب آپ وزارتِ عظمیٰ کی کرسی پر بیٹھے ہوتے تھے اور اب زمین پر بیٹھے ہو۔ آپ نے فرمایا ہم درویشوں کے لئے یہی اچھا ہے۔ تین سال تک آپ مدینہ منورہ میں حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی بائیں طرف حدیث کا درس دیتے رہے ہیں۔ بعض کتابیں مدینہ پاک کے قیام کے دوران آپ کے پاس تھیں۔ جواب بھی علامہ قاضی غلام محمود صاحب کے پاس موجود ہیں۔ جن کو تبرک سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ مدینہ منورہ رہ چکی ہیں۔ جب آپ بھوپال سے تشریف لائے تھے تو آپ ایک صندوق کتابوں سے بھر کر ساتھ لائے تھے اور اس پر سبز بانات (نہایت ہی اعلیٰ قسم کا ایک کپڑا ہوتا ہے) چڑھا ہوا تھا۔ اب صندوق آپ کی یادگار باقی ہے۔ البتہ بانات کا کپڑا نہیں ہے۔ نیچے سے میخیں نکل آئی ہیں۔ اس صندوق میں آپ دینی کتابیں لائے تھے اُن کتابوں میں ایک کتاب احیاء العلوم امام غزالی علیہ الرحمتہ کی تصنیف ہے۔ جو قلمی ہے اور اس کے سرورق پر آپ کے خط سے لکھا ہے۔ اَشْتَرَیْتُ ھٰذَا الْکِتَابَ بِنِصْفِ رِطْلِ الذَّھَبِ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ میں نے اس کتاب کو پاؤ بھر سونے سے خریدا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کتابیں اس وقت بہت مہنگی تھیں۔ کیونکہ وہی احیائے العلوم مطبوعہ آج چالیس روپے میں مل جاتی ہے۔ آپ کی ان کتابوں میں نُزل الابرار شرح کتاب الاذکار تصنیف نواب صدیق حسن خان بھوپالی مطبوعہ استنبول ۱۳۰۱ھ کی چھپی ہوئی اور فتاویٰ قاضیخان چار جلدوں میں۔ اور جامع صغیر قلمی علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ کی جو حدیث کی چھ کتابوں کا مجموعہ ہے۔ یعنی صحاح ستہ کی تمام حدیثیں مختصر طور پر اس میں جمع کر دی گئی ہیں۔ اور اس قسم کی بہت سی کتابیں ہیں۔ اور عینی شرح بخاری کے کچھ حصّے قلمی موجود ہیں۔ جن کے اوراق اور سیاہی بہت عمدہ ہے۔ جو آئندہ بھی کئی سالوں تک قائم رہ سکتے ہیں۔ اس کی دو بڑی ضخیم جلدیں موجود ہیں۔ دوسری جلد پر عالمگیر اورنگزیب علیہ الرحمتہ کی اپنی مہر لگی ہے۔ حضرت علامہ قاضی عبدالسبحان صاحب فرمایا کرتے تھے کہ یہ کتاب عالمگیر علیہ الرحمتہ نے خود اپنے قلم سے لکھی ہے۔ ویسے اورنگ زیب عالمگیر

علیہ الرحمۃ بہترین کاتب تھے۔ قرآن مجید اپنے ہاتھ سے لکھ کر اس کا ہدیہ لیا کرتے تھے۔ اور پھر اس ہدیہ کو تین حصوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ ایک حصہ غرباء و مساکین کے لئے دوسرا حصہ گھر والوں کے لئے اور تیسرا حصہ اپنے لئے رکھ لیا کرتے تھے۔

حضرت کے مناظرے اور کامیابیاں

کتاب مذکور کا خط اور کاغذ بھی اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ کسی خاص شخصیت کا کارنامہ ہے۔ آپ نے دہلی میں نذیر حسین دہلوی غیر مقلد کے ساتھ (جو غیر مقلدین میں اس زمانہ کے مشہور اور بہت بڑے عالم تھے) مناظرہ بھی کیا اور جس میں آپ کامیاب رہے تھے۔ اور جب آپ اپنے وطن تشریف رکھتے تھے تو موضع صوابی میرہ میں ایک مجذوب فقیر تھے جن کو پہا یا بابا ——— کے نام سے لوگ یاد کرتے تھے وہ ایک صاحب باطن فقیر تھے۔ کسی شخص کو اجمیر شریف سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پرانوار پہ حاضر ہوا تھا۔ خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ نے خواب میں فرمایا تھا۔ کہ پہا یا بابا علاقہ خراسان کا متصرف ہے (یعنی ہزارہ، پشاور اور افغانستان کے علاقے خراسان میں ہی واقع ہیں) تو وہ فقیر حضرت مولانا محمد غوث صاحب علیہ الرحمۃ کے پاس مسجد میں آیا کرتے تھے۔ اور حضرت کا معمول تھا کہ فجر کی نماز پڑھ کر اشراق بلکہ چاشت کی نماز تک مسجد میں ٹھہرا کرتے تھے۔

علامہ قاضی غلام محمود صاحب ہزاروی فرماتے ہیں کہ مسجد کے دروازے میں کھڑے ہو کر وہ پہا یا بابا صاحب کہتے تھے۔ کہ کر لے مولوی جو کرنا ہے تھوڑے ہی دن ہیں۔ حضرت علامہ مفتی سیف الرحمن صاحب ہزاروی یوں فرماتے ہیں کہ وہ مجذوب آپ کو ملنے آیا کرتا تھا۔ مگر آپ اس کی آمد سے کچھ پہلے مسجد کے دروازے بند کر دیا کرتے تھے۔ وجہ یہ کہ مجذوب پابند شریعت نہ تھے۔ اور آپ ایسے شخص سے ملنا پسند نہ فرماتے تھے۔ وہ مجذوب مسجد کے چاروں طرف پھر پھرا کر واپس ہو جاتے۔ اور جاتے وقت کہتے مولوی کب تک ایسا کرے گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے اس کی مراد آپ کی وفات ہو

حضرت مولانا محمد غوث صاحب علیہ الرحمۃ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درباری حضوری تھے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں آپ کو روحانی طور پر حاضری

اور باریابی نصیب تھی۔

آپ کا قد اور شخصیت بارعب تھی۔ از سرتاپا عملی طور پر شریعت کا مجسمہ تھے۔ اور مستحب تک بھی ترک نہ ہونے دیتے تھے۔ اور عالم اتنے بڑے کہ علماء کرام آپ کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتے تھے۔

جائداد ریہٹ کے اردگرد زمین کے چار ٹکڑے ہیں۔ جو کل چودہ کنال بتائی جاتی ہے۔ جن میں دو کنال حضرت مولانا محمد خلیل صاحب علیہ الرحمۃ جن میں گوہال (یعنی مولیشیوں کے لئے مکان) بنا ہوا ہے۔ یہ موجودہ مکان حضرت علامہ قاضی محمد عبدالسبحان صاحب علیہ الرحمۃ نے بنایا تھا۔ حضرت علامہ قاضی غلام محمود صاحب فرماتے ہیں کہ اس مکان کا بنانا مجھے یاد ہے۔ کہ کھلابٹ کے مستری اللہ دین صاحب نے بنایا تھا۔ ایک دن میں اس مکان کی چار دیواری تیار ہوگئی تھی۔ تیس آدمی کام کرنے والے تھے۔ مستری اللہ دین صاحب نے کہا تھا کہ بتیس (۳۲) سیر آٹا گندم کا اور آٹھ سیر گھی کام کرنے والوں کے لئے دائیں ہاتھ سے نکال دو۔ اور درخت نارنج دکھٹی والا اور دوسرا زمین کا ٹکڑا حضرت مولانا محمد مظہر جمیل صاحب علیہ الرحمۃ کے نام ہے۔ اور ریہٹ سے نیچے دو چھوٹے ٹکڑے دلوگریہا یا ریہٹ والی جگہ یا برغنڈے جو ریہٹ کے ساتھ ہی ہیں جو کہ پانچ کنال بتائے جاتے ہیں۔ یہ غالباً سوائے آخری برغنڈے کے جو شیر بہادر مرحوم اور حیدر خان کی گوہالوں کے ساتھ ہے۔ حضرت مولانا محمد مظہر جمیل صاحب علیہ الرحمۃ کے وقت کے ہیں۔ اور ان کے اپنے خریدے ہوئے ہیں۔ یا حضرت مولانا محمد غوث علیہ الرحمۃ کے وقت کے ہیں۔ وہ چھوٹا برغنڈہ موضع پھولدہار کے مظفر خان مرحوم کے والد مرحوم نے ہمارے حضرت مولانا محمد مظہر جمیل علیہ الرحمۃ یا حضرت علامہ قاضی محمد عبدالسبحان صاحب علیہ الرحمۃ کو ہبہ کر کے (بخش کر) دیا تھا۔ حضرت علامہ محمد عبدالسبحان صاحب علیہ الرحمۃ بیان فرماتے تھے۔ کہ ایک دفعہ میرے سامنے مظفر خان صاحب نے اس برغنڈے کا ذکر چھیڑا تھا۔ تو حضرت موصوف علیہ الرحمۃ نے یہ جواب دیا تھا کہ تمہارے والد نے یہ ہمیں ہبہ کر کے دے دیا تھا۔ اور حضرت علامہ قاضی غلام محمود صاحب فرماتے ہیں کہ میں خود اس بات کے وقت موجود تھا مظفر خان صاحب حضرت

کے جواب پر خاموش ہو گئے۔ حضرت علامہ مولانا محمد غوث علیہ الرحمۃ کی اپنی مملوکہ اور بھی زمین تھی۔ اس میں تقریباً تین چار کنال حضرت قاضی صاحب کے رہٹ والے برغنڈوں کے ساتھ ہی ہے۔ یہ قطعہ زمین آپ نے اپنی لڑکی کو شادی کے وقت جن کی شادی موضع ڈھینڈا میں ہوئی تھی دیا تھا جو حضرت علامہ قاضی محمد عبدالسبحان صاحب علیہ الرحمۃ کی پھوپھی صاحبہ تھیں۔ بعد میں ان کے لڑکے قاضی محمد حسین نے اس کو خود فروخت کر دیا تھا۔ اور ایک وہ زمین ہے جو رہٹ سے نیچے اپنے موجودہ چھوٹے برغنڈوں سے بالکل متصل کچھ نیچے کی طرف ہے۔ جواب حبیب الرحمان خان کے پاس ہے۔ وہ زمین آپ نے اپنی موضع جوڑا پنڈ والی لڑکی کو شادی کے وقت دے دی تھی۔

حضرت علامہ محمد غوث صاحب علیہ الرحمۃ کی شاہانہ طبیعت تھی۔ جوڑا پنڈ میں تقریباً تین سو کنال زمین تھی۔ جو آپ نے اپنے جوڑا پنڈ والے بھائی کے نام منتقل کرا دی تھی۔ اس وقت مرزا ڈپٹی جو بندوبست آراضی کا اسوقت متعلقہ افسر تھے نے کہا تھا کہ زمین آپ اپنے نام رہنے دیں سرکاری کاغذات میں نام آپ کا ہی رہے۔ اور اگر آپ اپنے رشتہ داروں کو دینا چاہتے ہیں۔ تو اس زمین سے نفع وہ حاصل کرتے رہیں۔ مگر آپ نے فرمایا کہ معلوم نہیں میری اولاد کیسی ہو۔ پھر وہ اگر میرے بھائی سے چھین لیں تو تکلیف ہو گی۔ چالیس یا ستر کنال زمین انہوں نے اپنے نام رہنے دی جو موضع جوڑا پنڈ میں تھی۔ اور بعد میں حضرت علامہ قاضی محمد عبدالسبحان صاحب علیہ الرحمۃ نے اپنی وفات سے دو تین سال پہلے مولوی میاں یحییٰ صاحب کو مفت دے دی تھی۔ حضرت علامہ مولانا محمد غوث صاحب علیہ الرحمۃ کا ایک سگا بھائی تھا۔ اور ڈاکٹر سید محمود کے دادا محمد کلیل کا سوتیلا بھائی تھا۔ ان کی جائداد اپنے پوتے نور مصطفیٰ کی والدہ سیدہ بیگم جان کے نام تھی۔ اس کے بارے میں بیگم جان کی وفات کے بعد ڈاکٹر سید محمود کے ساتھ حضرت علامہ قاضی محمد سبحان صاحب علیہ الرحمۃ کے جھگڑے اور مقدمے ہوئے ہیں مولینا شاہ محمد والے حضرت مولانا سکندر علی صاحب مرحوم نے شرعی فیصلہ قبلہ قاضی صاحب علیہ الرحمۃ کے حق میں دیا تھا۔ شریعت کے فیصلے ت ڈاکٹر سید محمود نے انکار کر دیا۔ اور مقدمہ چلتا رہا۔ آخری فیصلہ ریونی کمشنر پشاور کی عدالت

سے حضرت علامہ قاضی صاحب علیہ الرحمتہ کے حق میں ہوا تھا۔ مائی بیگم جان کی موجود
چودہ کنال زمین ہے۔ جو اب بھی بیع ملکیت ہماری ہے۔ اور چار کنال زمین دو ہزار روپے
میں عبد الرحیم کے لڑکوں کے پاس ہے۔ اور دس کنال صفی اللہ کے لڑکے عبد الجبار
پاس رہن ہے۔ تقریباً پانچ چھ کنال زمین کا ایک مخصوص ٹکڑا (جو رہٹ والی زمین سے
کالا خان ولد شاہزادہ خان کے باغ کے اوپر ہے۔ یہ حضرت مولانا محمد خلیل صاحب
علیہ الرحمتہ نے حج کو جاتے وقت عبد الرحمن براچی کو پانچ سو روپے کے عوض رہن دیا
یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ کس وقت سے چلا آرہا ہے۔ غالباً ان کا اپنا زر خرید تھا۔ بعد میں
حضرت علامہ قاضی محمد عبد السبحان صاحب علیہ الرحمتہ نے پندرہ سو روپے کے عوض موضع
ناڑا کے ایک شخص کے پاس رہن رکھ دیا تھا۔ اب وہ اسی کے پاس ہے۔ حق بیع حضرت
قاضی غلام محمود صاحب مدظلہ العالی اور حضرت مفتی سیف الرحمن صاحب مدظلہ العالی کا ہے۔ آپ پندرہ
سو روپیہ دے کر اسے آزاد بھی کرا سکتے ہیں۔ (غلام سرور)

مکانات

مسجد کے پاس شیر احمد خان کے پڑوس میں جو مکان ہے۔ یہ حضرت علامہ محمد مظہر جمیل
صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے خود بنوایا تھا۔ اس کی لکڑی دیار کی ہے۔ یہ لکڑی آپ مانسہرہ کے
قریب کاغان سے لائے تھے۔ اب یہ مکان حضرت قاضی غلام محمود صاحب مدظلہ العالی کے حصہ میں ہے
اس کے ساتھ دوسرا مکان حضرت علامہ قاضی محمد عبد السبحان صاحب علیہ الرحمتہ کے موضع
جوڑا پنڈ والی پھوپھی صاحبہ مرحومہ کا تھا۔ جو حضرت علامہ قاضی محمد عبد السبحان صاحب علیہ الرحمتہ
کو ملا تھا وہ بھی حضرت علامہ قاضی غلام محمود صاحب کے حصہ میں آیا ہے۔ اس مکان کا
دروازہ پڑوسی سیدوں کی طرف ہے۔ اس کی گلی بھی تھی کہیں علی حیدر شاہ صاحب کی منت
سماجت پر حضرت مرحوم نے وہ گلی ان کو دے دی تھی جو اس نے اپنے مکان میں شامل کر لی ہے
اور اس طرح گلی کا دروازہ بند ہو گیا اب اس طرف سے راستہ نہیں رہا اور اس طرف بڑے مکان
کی جانب دروازہ لگا دیا گیا ہے۔ جہاں کہ پہلے ایک کھڑکی لگی ہوئی تھی۔ دوسرا مکان جو اب

حضرت علامہ مفتی سیف الرحمٰن صاحب کے پاس ہے یہ پہلے کچا تھا۔ اور اب پکا بنا دیا گیا ہے۔ اس کی تعمیر کا کام مستری اللہ دین نے کیا ہے۔ اُس وقت حضرت علامہ قاضی محمد عبد السبحان صاحب گجرات اور پھر شرقپور شریف میں تھے۔ یہ کام حضرت قبلہ قاضی غلام محمود صاحب مدظلہ العالی نے کروایا تھا۔ اور باہر پکی بیٹھک کا کام حضرت علامہ قاضی محمد عبد السبحان صاحب علیہ الرحمتہ نے خود کروایا تھا اور یہ مستری فضل داد موضع چنبہ پنڈ والے نے ٹھیکہ پر کیا تھا۔ پہلے اس بیٹھک کی جگہ پر دو کچی کوٹھڑیاں تھیں۔ ایک کوٹھڑی میں کتابیں رکھتے اور دوسری میں بھینس باندھا کرتے تھے۔ یہ مکان اور بیٹھک حضرت علامہ مولانا محمد غوث صاحب علیہ الرحمتہ کے وقت کا ہے۔ دادی بیگم جان والا مکان گر گیا تھا اس کے دو حصے ہیں۔ مکان اور صحن۔ مکان والی جگہ رئیس المناظرین شیخ الاسلام فخر زماں علامہ دوراں حضرت علامہ قاضی محمد عبد السبحان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا مزار شریف ہے اور صحن والا حصہ حضرت مفتی سیف الرحمٰن صاحب نے اپنی چھوٹی ہمشیرہ کی شادی کے وقت بوجہ ضرورت محمد زمان خان مرحوم کے ہاتھ مبلغ دو صد روپیہ میں فروخت کر دیا تھا اور حاصل کردہ رقم شادی کی ضروریات پر صرف کی تھی یہ کام مفتی صاحب نے حضرت والدہ صاحبہ کی مرضی سے کیا تھا۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد غوث صاحب کے مناظرے

قاضی میر عالم قاضیاں والے جو اہلِ حدیث تھے اور ان کے رفقاء علماء غیر مقلدین آپ کے سامنے مقابلے سے عاجز ہو گئے تو یہ لوگ مولانا غلام یحیٰی صاحب موضع ڈنہ کچیلی والوں کے پاس جا کر رو دئیے اور ان سے التجا کی کہ آپ خدا کے واسطے ہمارے کہنے پر شیرِ سرحد مولانا محمد غوث صاحب سے مناظرہ کرکے ان کو شکست دیں۔ وہ لوگ اس طرح اپنی پے در پے شکستوں کا بدلہ لینا اور اپنے دِل کی آگ بجھانا چاہتے تھے۔ ان لوگوں نے خدا جانے کیا کیا باتیں کہہ کر حضرت مولانا غلام یحیٰی صاحب کو مناظرہ کرنے اور ہزارہ تشریف لے جانے پر آمادہ کر لیا۔ معلوم ہو کہ حضرت مولانا غلام یحیٰی صاحب بہت بڑے عالم اور بالخصوص علم منطق اور ریاضی میں بہت ہی ماہر تھے۔ ڈنہ کچیلی مظفر آباد

(آزاد کشمیر) کے قریب ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ حضرت مولانا غلام یحییٰ صاحب نے وہاں بہت بڑا درس قائم کر رکھا تھا۔ خدا کی ہزار ہزار رحمتیں ہوں ان لوگوں پر جنہوں نے خشک روٹیاں کھا کر علوم و فیوض کے چشمے بہا دیئے۔ آپ کی درس گاہ دور تک مشہور تھی۔ اور دور دراز سے علوم عقلیہ کے شائقین کھچے چلے آتے تھے۔ حضرت مولانا غلام یحییٰ صاحب سنی المذہب اور حنفی المسلک تھے۔ مگر ان غیر مقلدین نے اس بزرگ کو اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے مناظرہ کرنے پر تیار کر لیا۔ تو جب آپ اپنے گاؤں سے چلنے لگے۔ تو فرمایا شیر شکار کے لئے چل نکلا ہے۔ اب دیکھیں کس کی ہمت ہو گی جو مقابلہ کے لئے آئے گا۔ اور جب آپ ہری پور ہزارہ پہنچے اور حضرت شیر سرحد مولانا محمد غوث صاحب (حضرت ہزاروی) کو مناظرے کی دعوت پہنچی تو آپ بھی مناظرے کے لئے تیار ہو گئے۔ ویسے یہ دعوت مناظرہ بالکل اچانک تھی۔ لیکن شیر سرحد علیہ الرحمۃ واقعی خدا جل جلالہٗ و مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے شیر تھے۔ اور وہ اس قسم کی باتوں سے قطعاً گھبراتے نہ تھے۔

اس مناظرہ میں نظم و نسق کو برقرار رکھنے کی ذمہ داری بابا سکندر خان مرحوم ساکن درویش کی تھی۔ اور حضرت مولانا محمد غوث صاحب نے ہی یہ ذمہ داری بابا صاحب کو سونپی تھی جو انہوں نے قبول کر لی تھی۔ مناظرے کے لئے جگہ سکندر پور (جو اب گویا ہری پور شہر کا ایک محلہ ہی ہے) مقرر ہوئی۔ حضرت مولانا میاں عبد الحق صاحب غور غشتی ضلع کیمبلپور (جو ایک جید عالم اور پارسا معتبر بزرگ ہیں اور اب زندہ موجود ہیں) کے دادا حضرت مولانا فیضی میاں صاحب۔ اور حضرت مولانا عبد الغفور صاحب ہزاروی وزیر آبادی کے دادا۔ جو بہت بڑے عالم اور بالخصوص علوم عقلیہ کے ماہر تھے۔ حضرت علامہ قاضی محمد عبد السبحان صاحب علیہ الرحمۃ ان کے متعلق فرماتے تھے۔ کہ یہ بزرگ موضع چنبہ پنڈ بیر جوان کا آبائی گاؤں تھا۔ کھیتوں میں مویشی چراتے چراتے کھڑے کھڑے علم فلسفہ کی بہت مشکل اور اونچی کتابیں مثلاً صدرا اور شمس بازغہ کے اسباق طالب علموں کو پڑھا دیا کرتے تھے۔ یہ دونوں بزرگ مناظروں میں شیر سرحد علیہ الرحمۃ کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ ویسے مناظرے اور مرکزی کردار ہر لحاظ سے اور ہر میدان میں

شیرِ سرحد حضرت مولانا محمد غوث صاحب علیہ الرحمۃ محدّث ہزاروی خود ادا کیا کرتے تھے۔ اور یہ دونوں بزرگ ان کے مددگار اور معاون ہوتے تھے۔

ہاں تو اس مناظرہ میں اصل مناظرہ شروع ہونے سے قبل حضرت مولانا فیضی

یاں صاحب علیہ الرحمۃ عزوغشی نے شیر کشمیر حضرت مولانا غلام یحییٰ صاحب علیہ الرحمۃ سے بحث چھیڑی اور حضرت مولانا چنبہ پنڈوالوں نے بھی ان سے بحث کی۔ مولانا صاحب چنبہ پنڈوالوں کی بحث کے دوران مسئلہ امکانِ خاص اور امکانِ عام پر بحث چل نکلی جس میں حضرت مولانا چنبہ پنڈوالوں کا ہی پلّہ بھاری رہا۔ بعد میں اصل مناظرہ شروع ہوا جس میں شیرِ سرحد حضرت علامہ مولانا محمد غوث صاحب محدّث ہزاروی علیہ الرحمۃ کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔

اس مناظرہ میں حضرت مولانا غلام یحییٰ صاحب علیہ الرحمۃ کو ایسی شکست فاش ہوئی کہ بعد میں آپ نے عمر بھر کسی سے مناظرہ کا رخ نہ کیا۔ اور واپس اپنے گاؤں جا کر فرمایا کہ مجھے کیا معلوم تھا کہ ایسے ذی علم لوگ آج بھی موجود ہیں۔ ورنہ میں کبھی مناظرہ کے لئے نہ جاتا۔

(۲) اس زمانہ کے غیر مقلدین جماعت اہلحدیث کے مانے ہوئے مشہور پیشوا نذیر حسین صاحب دہلوی (جو کہ مشہور عالم اور اپنے طور پر مانے ہوئے مناظر تھے۔ اور اب بھی جماعت اہلحدیث کے علاوہ دوسرے علماء ان سے متعارف ہیں) سے حضرت مولانا محمد غوث صاحب ہزاروی علیہ الرحمۃ کا احناف اور غیر مقلدین کے مابین اختلافی مسائل پر دہلی شہر میں زبردست مناظرہ ہوا۔ جس میں حضرت محدّث ہزاروی علیہ الرحمۃ کو واشگاف کامیابی ہوئی اور نذیر حسین صاحب دہلوی کو شکست فاش ہوئی

(۳) حضرت مولانا محمد غوث علیہ الرحمۃ کے آبائی گاؤں موضع کھلابٹ کے رئیس خان میر زمان خان کے پاس علاقہ غیر سے ایک عالم آئے اور کہنے لگے کہ تم اپنے گاؤں کے عالم یعنی حضرت محدّث ہزاروی کو بلاؤ میں ان سے مناظرہ کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ خان صاحب نے مولوی صاحب کے اصرار پر حضرت موصوف کو بلایا۔ آپ اپنے منکسرانہ

اور متواضعانہ اخلاق کی بنا پر تشریف لے گئے اور پھر وہاں پہنچ کر خان صاحب سے پوچھا کہ مجھے کیوں بلایا گیا ہے۔ خان صاحب نے عرض کی کہ یہ مولوی صاحب نو وارد مہمان ہیں اور آپ سے مناظرہ کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے جلال میں آکر مولوی صاحب سے فرمایا۔ مولوی صاحب گرمیوں اور سردیوں کے اندر استنجا کرنے کے طریقے میں جو فرق ہے بیان کیا جائے۔ تو اس پر وہ مولوی صاحب خاموش ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کہ مولوی! جب تمہیں استنجے کا طریقہ ہی معلوم نہیں تو تم مناظرہ کیا کرو گے۔ وہ مولوی صاحب تو مبہوت ہو گئے۔ اور حضرت مولانا محمد غوث صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اٹھ کر خان میرزمان خان صاحب کے منہ پر تھپڑ مارا اور فرمایا کہ مجھے اس مقصد کے لئے بلایا گیا ہے۔ آپ تو یہ فرما کر تشریف لے گئے بعد میں خان صاحب نے ہنس کر مولوی صاحب سے کہا دیکھ لیا نا مولوی صاحب یہ میرے مولوی نہیں بلکہ میرے خان ہیں یعنی افسر داتا۔

تصنیفات

شیخ التفسیر و الحدیث مفسر قرآن محدث زماں علامۂ دوراں اپنے دور کے شیخ کل اور استاذ الکل غوث وقت حضرت مولانا محمد غوث صاحب محدث ہزاروی رحمتہ اللہ علیہ کے کتب خانہ میں آپ کی اپنی چند تصنیفات اب بھی موجود ہیں (۱) تقویت الایمان کا فارسی زبان میں عالمانہ رد ہے اور بزرگوں سے سنا تھا کہ سب سے پہلے تقویت الایمان کا رد آپ ہی نے لکھا تھا اور یہ بات قرین قیاس بھی ہے کیونکہ آپ کا زمانہ کتاب تقویت الایمان کی تصنیف کے قریب ہی تھا اور تقویت الایمان کا جو رد حضرت مولانا محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی علیہ الرحمتہ نے لکھا ہے وہ بعد میں لکھا گیا ہے۔

(۲) "تاریخ وہابیہ ہندوستان" اس کتاب میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہابیت ہندوستان میں کیسے آئی۔ یہ دونوں کتابیں اچھی ضخیم ہیں اور قابل قدر علمی ذخیرہ ہے۔ مثال کے طور پر تصنیف (۱) سے ایک حوالہ نقل کرتا ہوں۔ جو مشتے از نمونہ خروارے ہے۔ جس سے اس کتاب کے علمی مقام کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ حضرت موصوف رحمتہ اللہ علیہ نے تفسیرات احمدیہ ملا احمد جیون

استاذِ اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھا ہے۔ کہ سورۂ جمعہ کے آخر میں جو ارشادِ خداوندی ہے۔ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ الآیۃ۔ یعنی جب نمازِ جمعہ ادا کر لی جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

منشاء خداوندی یہ ہے کہ نمازِ جمعہ کے بعد زمین میں پھیل جاؤ یعنی مزارات اولیاء اللہ پر حاضری دو۔ وہاں ان کی بارگاہوں میں حاضر ہو کر اللہ کا فضل تلاش کرو۔

یہ تو ایک نمونہ تھا بہرحال کتابیں قابل قدر ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کا فارسی زبان سے اردو میں ترجمہ ہو جائے تاکہ عوام و خواص ان کے علمی گوہر پاروں سے مستفید ہو سکیں۔

تصنیف ۱۳:۔ نظم مائۃ عامل جو علم نحو کی ابتدائی کتاب ہے اور جس کے بارے میں محقق علماء فرماتے چلے آئے ہیں۔ کہ اگر اس کتاب کو مبتدی طالب علم اچھی طرح پڑھ لے تو آگے چل کر اس کے لئے علم نحو کی بڑی کتابیں آسان ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ اگر بنیاد اچھی اور عمدہ ہو تو دیوار کے بھی مضبوط اور عمدہ ہونے کی امید کی جا سکتی ہے۔ اور اگر بنیاد ہی خراب اور کمزور ہو تو دیوار کے مضبوط ہونے کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ کیا خوب فرمایا ہے کسی شاعر نے۔ ؎

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج   تا ثریا مے رود دیوار کج

یعنی اگر بنیادی اینٹ ہی معمار ٹیڑھی لگائے تو پروین یعنی آسمان تک بھی اگر دیوار اونچی چلی جائے تو ٹیڑھی ہی ہو گی۔

حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے اس اصول کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مبتدی طلباء پر یوں کرم فرمایا ہے۔ کہ نظم مائۃ عامل کی شرح لکھ ڈالی۔ مگر اس زمانے میں چونکہ اردو تصنیفات کا رواج نہ تھا۔ عموماً علماء عربی اور فارسی کو ہی ذریعہ تحریر بنایا کرتے تھے۔ حضرت موصوف نے یہ کتاب بھی فارسی زبان ہی میں لکھی ہے۔ کاش! کہ اب اس کا اردو زبان میں ترجمہ ہو جائے اور اساتذہ اور تلامذہ دونوں فائدہ اٹھائیں۔

حضرت علامہ مولانا محمد غوث صاحب محدث ہزاروی رحمتہ اللہ علیہ اہلِ سنت کے
اور اتباع شرع شریف میں اس قدر مضبوط اور سختی سے پابند تھے۔ کہ شرعِ شریف کے
کے خلاف کوئی عمل اور اہل سنت کے عقائد کے خلاف کوئی عقیدہ آپ کو ایک آنکھ نہیں
بھاتا تھا۔ حضرت علامہ قاضی غلام محمود صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں۔
کہ موضع کوٹھہ علاقہ غیر کے ایک مولوی صاحب پر اس کے گستاخ اور وہابی العقیدہ
ہونے کی وجہ سے آپ نے فتوای کفر دے دیا تھا۔ مولوی صاحب کی طرفداری میں موضع کوٹھہ
کے چند پٹھان خوانین حضرت مولانا محمد غوث صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے گاؤں موضع کھلابٹ
میں رئیسِ کھلابٹ خان میر زمان خان صاحب کے پاس آئے اور خان صاحب سے کہا۔ کہ
اپنے مولوی کو بلا کر اس بارے سمجھاؤ۔ خان صاحب نے جواب دیا۔ کہ یہ مولوی صاحب
میرے مولوی نہیں ہیں۔ یعنی میرے ماتحت نہیں۔ وہ بڑے زبردست ہیں۔ کوئی ان سے
بات کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ مگر ان خوانین نے اپنی بات پر بہت اصرار کیا۔ بالآخر
خان صاحب نے حضرت کو بلا بھیجا۔ جب آپ تشریف لے گئے۔ تو کسی کو آپ سے کچھ کہنے
کی جرأت نہ ہو سکی۔ تو خود آپ نے پوچھ لیا۔ کہ خان صاحب مجھے کس مقصد کے لئے بلایا
گیا ہے۔ تو خان میر زمان خان نے عرض کیا۔ حضور علاقہ غیر کے یہ چند معزز خوانین آپ
کی خدمت میں اس غرض سے حاضر ہوئے ہیں۔ کہ آپ نے جو موضع کوٹھہ کے مولوی صاحب
پر اس کے گستاخِ انبیاء علیہم السلام وہابی العقیدہ ہونے کی وجہ سے فتوای کفر صادر فرما
دیا ہے۔ وہ واپس لے لیں۔ یہ بات سن کر آپ نے زبانی تو کوئی جواب نہ دیا۔ بلکہ اٹھ
کر رئیسِ کھلابٹ خان صاحب مذکور کے منہ پر تھپیڑ مارا۔ کہ مجھے اس مقصد کے لئے بلایا گیا
تھا۔ بس یہ فرما کر واپس تشریف لے گئے۔ اور کسی کو آپ سے مزید بات کرنے کی جرأت نہ
ہو سکی۔ یہ تھی آپ کی غیرت مذہبیہ وملیہ۔ اور علماء میں اس قسم کی حق گوئی اور بے باکی
اور شرع کے مقابلے میں دنیا اور دولت کی پرواہ نہ کرنا۔ یہ صرف چند نفوس ہی کو نصیب ہوئی
ہے۔ اور حضرتِ موصوف کے زمانہ میں تو صرف یہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ ہاں تو آپ کے
تشریف لے جانے کے بعد خان میر زمان خان نے ان لوگوں سے کہا۔ کہ دیکھ لیا نا تم لوگوں

نے میں نے جو کہا تھا۔ کہ یہ مولوی صاحب میرے ماتحت نہیں۔ سنا ہے کہ وہ خوانین پھر موضع سریکوٹ گئے۔ اور پھر وہاں سے حضرت کو مناظرے کے لئے بلایا گیا۔ بظاہر تو مناظرے کی دعوت تھی۔ اور درپردہ آپ کو قتل کرنے کی سازش تھی۔ چونکہ موضع سریکوٹ پہاڑ پر اونچی جگہ واقع ہے۔ انہوں نے یہ منصوبہ بنایا تھا۔ کہ جب آپ سریکوٹ کی گھاٹی (ڈھکی) پر چڑھیں تو وہیں ان کو مار ڈالا جائے۔ چند احباب نے اس خفیہ منصوبے کی اطلاع آپ کو دے دی۔ اور پھر آپ سے عرض کیا۔ کہ آپ ہرگز سریکوٹ تشریف نہ لے جائیں۔ کیونکہ وہاں جان کا سخت خطرہ ہے۔ مگر آپ نے ہنس کر فرمایا کہ کوئی بات نہیں اللہ فضل کرے گا۔ میں ضرور جاؤں گا۔ ان احباب نے عرض کی کہ آپ اگر ضرور تشریف لے جانا ہی چاہتے ہیں۔ تو پھر ذرا نرمی سے کام لیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں حق بات سے گریز نہیں کر سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ ہرگز نہیں کر سکتا۔ چنانچہ آپ تشریف لے گئے۔ موضع سریکوٹ میں مجلس منعقدہ کے اندر وہ مولوی صاحب کو بھی اور اسے مذکور بھی موجود تھے۔ ان معزز خوانین نے آپ سے عرض کیا کہ حضرت دیکھو یہ ہمارے مولوی صاحب ہیں اور بڑے نیک آدمی ہیں۔ آپ نے جو ان پر فتویٰ کفر دیا ہے یہ واپس لے لیں۔ کیونکہ اس میں نہ صرف ان کی بلکہ ہم سب پٹھان خوانین برادری کی بےعزتی ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے ان پر بلا وجہ فتویٰ کفر نہیں لگایا۔ انہی سے پوچھ لو کہ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فلاں فلاں باتیں کہتے ہیں یا نہیں۔ چنانچہ مولوی صاحب سے دریافت لیا گیا۔ انہوں نے اقرار کر لیا۔ اس پر حضرت نے ان خوانین سے فرمایا کہ اب تم اپنے ایمان کی روشنی میں خود ہی فیصلہ کر لو کہ یہ باتیں گستاخانہ ہیں یا نہیں۔ پھر گستاخی بھی میری یا میرے باپ کی نہیں۔ بلکہ آقائے کل مولائے کل ہادی سبل شہنشاہ کونین مدنی تاجدار رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب عالیہ میں گستاخی ہے۔ اب یہ گستاخی کون برداشت کرے۔ مجھ سے تو یہ نہیں ہو سکتا۔ اگر تم اسے روا رکھتے ہو تو یہ تمہیں مبارک ہو۔ میں تو بس معذور ہوں۔ سنا ہے کہ بعد میں ان خوانین نے حضرت مولانا محمد غوث

صاحب کی ہی حمایت کی۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ قاضی محمد عبدالسبحان صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مولوی موضع کوٹھہ والا اسماعیل دھلوی مصنف کتاب تقویۃ الایمان کا شاگرد تھا۔ اور اپنی جماعت میں اتنا عالم اور اعلیٰ ذہن کا مالک تھا۔ کہ تین دن میں اس مولوی نے علم صرف کو مکمل طور پر پڑھ لیا تھا

بہرحال یہ مولوی تو ایسا مبہوت ہوا۔ کہ اس کو بات کرنے کی بھی سکت نہ ہو سکی۔ اور یوں آپ کامیاب و کامران واپس ہوئے۔

میر عالم خان ساکن کھلابٹ جامع مسجد کھلابٹ کے کنوئیں کے قریب کھڑا تھا۔ کہ ادھر سے حضرت مولانا محمد غوث صاحب تشریف لے آئے۔ فرمایا میر عالماں! کیا نماز پڑھ چکے ہو۔ عرض کی نہیں۔ فرمایا نماز پڑھو۔ عرض کیا حضور میرے کپڑے ناپاک ہیں۔ فرمایا کہ نماز پڑھو اور ابھی پڑھو۔ میر عالم خان (مذکور) دائمی تارک الصلوٰۃ اور نماز کی قطعی پرواہ نہ کرنے والا شخص تھا۔ اور وہ پٹھان لوگ تھے بھی سخت مزاج۔ معمولی سی بات پر لڑائی جھگڑا مول لے لیا کرتے تھے۔ مگر اس موقعہ پر حضرت موصوف کے سامنے اس کو تکرار یا انکار کی جرأت نہ ہوئی۔ مجبوراً چادر کسی دوسرے آدمی سے مانگ کر نماز ظہر ادا کی۔ پھر آپ نے تاکیداً اس سے فرمایا۔ خبردار آئندہ نماز نہ چھوڑنا۔ سنا ہے کہ میر عالم خان کچھ عرصہ تک نماز پڑھتا رہا۔

فیض محمد خان مرحوم کے دادا خان عبداللہ خان رئیس اعظم کھلابٹ پکے نمازی اور نیک آدمی تھے۔ ان کا مکان بستی کے دوسرے سرے پر حضرت غوث زمانہ محمد غوث صاحب ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد سے بہت دور واقع تھا۔ اس کے باوجود خان صاحب مذکور ہمیشہ حضرت کی اقتداء میں ادا کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ عشاء کی نماز حضرت نے وقت مقررہ پر پڑھا دی۔ اور عبداللہ خان صاحب کو کسی وجہ سے دیر ہو گئی۔ وہ شامل جماعت نہ ہو سکے۔ بعد میں آئے اور حضرت سے عرض کرنے لگے کہ آپ کو اتنا تو خیال کرنا چاہیئے تھا کہ عبداللہ نہیں آیا۔ نماز میں ذرا تاخیر کر دیتے۔ اس پر آپ نے

جلال میں آکر فرمایا۔ کہ عبد اللہ! نماز اللہ کی ہے نہ تیری اور نہ تیرے باپ کی ہے۔ اِس کو وقت معترزہ پر ہی ادا کیا جائے گا۔ اس میں کسی کا لحاظ اور رعایت نہ ہوگی۔

درس

غوثِ زماں شیخ وقت حضرت مولانا محمد غوث صاحب ہزاروی علیہ الرحمتہ کے درس و تدریس کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ روئے زمین پر بالخصوص ہندوستان میں بڑے بڑے علمار کو آپ سے استفادہ کا فخر حاصل تھا۔ انسانوں کے علاوہ جنات بھی آپ کے شاگردوں میں شامل رہتے تھے۔ موضع کھلابٹ کا بہادر بابا مرحوم جو ایک نیک اور پکا نمازی تھا جس کا ایک صدی سے کچھ زیادہ عمر میں ابھی ۱۹۷۱ء میں انتقال ہوا ہے۔ بابا مرحوم بھی حضرت کے شاگردوں میں شامل رہا ہے۔ بابا مرحوم چونکہ ایک سچا اور قابلِ اعتماد آدمی تھا۔ اس لیے اس کی نقل و روایت پر اعتماد کرتے ہوئے واقعہ درج کیا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ بابا صاحب مرحوم نے بتایا۔ کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد غوث صاحب ہزاروی رحمتہ اللہ علیہ کے شاگرد جن نے آپ کی خدمت میں درخواست کی۔ کہ آپ ہمارے وطن کی سیر کریں۔ حضرت نے اس جن کی درخواست قبول فرمالی۔ اور وہ آپ کو اٹھا کر لے گیا۔ راستے میں اس جن نے عرض کی کہ حضور آؤ آپ کو ایک عجیب منظر دکھاؤں۔ اور آپ کی خدمت میں کچھ نذرانہ پیش کراؤں۔ چنانچہ آپ کو وہ ایک گاؤں میں لے گیا۔ اُس گاؤں میں ایک جوان (جس کی اگلے دن شادی ہوئی تھی) رات کو سانپ کے ڈسنے سے مرگیا تھا۔ اور لوگ اسے رو رہے تھے۔ بہت شور و غل برپا تھا۔ وہ جن حضرت کو اس گھر کے قریب لے گیا۔ اور گھر والوں سے انسانی شکل و صورت میں ظاہر ہو کر کہنے لگا۔ کہ تمہارا مردہ زندہ ہو جائے تو تم مجھے کیا دو گے۔ انہوں نے کہا کہ تمہارا جو جی چاہے۔ بالآخر بات اس پر ٹھہری کہ اگر مردہ زندہ ہو جائے تو ہم تین ہزار روپیہ دیں گے۔ تو اس جن نے کہا کہ دلہن کو بلاؤ۔ چنانچہ اس کو بلایا گیا۔ جن نے دلہن سے کہا کہ تم اُسی طرح چارپائی پر لیٹ جاؤ جس طرح رات کو سوئی ہوئی تھی۔ چنانچہ وہ عورت اسی مردے

کے ساتھ اسی چارپائی پر لیٹ گئی۔ جنّ عورت سے کہنے لگا کہ تو اپنے سر کے بال چارپائی سے نیچے لٹکا دے۔ چنانچہ اُس عورت نے اپنے بال چارپائی سے نیچے لٹکا دیئے اور پھر جن کچھ پڑھنے لگا۔ اتنے میں وہ سانپ آگیا جس نے دولہا کو ڈسا تھا اور عورت کے لٹکے ہوئے بالوں پر سے چڑھنے لگا۔ اور جس مقام پر اس جوان کو ڈسا تھا۔ اُسی جگہ منہ رکھ کر زہر چوسنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد زہر چوس کر وہ سانپ واپس ان بالوں پر سے ہوتا ہوا چلا گیا۔ جنّ نے اس جوان کو ہلایا اور جھنجھوڑ کر کہا کہ اتنی دیر ہو گئی ہے اور تو اُٹھتا نہیں۔ چنانچہ جوان نے آنکھیں ملیں اور اٹھ بیٹھا۔ گھر والوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور دوبارہ خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔ اور وہ لوگ حضرت مولانا محمد غوث صاحب کے شاگرد جنّ (جو کہ اس وقت انسانی شکل وصورت میں ظاہر تھا۔) کے قدموں میں آگرے اور تین ہزار روپیہ بطورِ نذرانہ پیش کیا۔ اور پورا حق ادا کرنے سے معذرت کرتے ہوئے معافی چاہی۔ جن نے وہ روپے لے کر اپنے استاذ حضرت مولانا محدث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کر دیئے اور پھر جن آپ کو اٹھا کر اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔ جب وہ اپنے گھر کے قریب پہنچنے والا تھا تو حضرت سے کہنے لگا۔ کہ دیکھو میری ماں کھڑی ہے۔ آپ نے جو دیکھا۔ تو وہ دور سے بالکل چھوٹی دکھائی دیتی تھی۔ جس کا قد صرف ایک بالشت نظر آتا تھا۔ جب آپ وہاں پہنچ گئے تو قریب سے جو دیکھا تو جنّ کی والدہ کا قد آسمان تک پہنچا ہوا تھا یعنی بہت ہی اونچا۔ اور غور سے اس جگہ کو جو دیکھا تو اُن جنات کا ڈیرہ ایک کھلیان کے اندر لگا ہوا تھا۔ جنّ نے آپ کو وہاں کی سیر کرائی اور اپنے رشتہ داروں سے متعارف کرایا۔ اور ان سب نے باری باری آپ کے قدم چومے۔ اور تین دن آپ کو جنّ نے اپنی قیام گاہ پر ٹھہرایا۔ تین دن کے بعد آپ کی خدمت میں تحفے تحائف پیش کر کے آپ کو رخصت کیا۔

(۲) بابا بہادر خان صاحب مرحوم ہی بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ ایک سپیرا بین بجاتا ہوا حضرت مولانا محمد غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے آبائی گاؤں موضع کھلابٹ کی مسجد

جو آپ کی طرف منسوب ہے۔ اور جس میں آپ کے شاگرد طلبا رہا کرتے تھے کے قریب سے گزرا۔ حضرت کے ایک شاگرد جن نے آپ کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ حضرت آپ اس سپیرے کو بلائیں۔ میں سانپ بنتا ہوں۔ آپ اس سے کہیں کہ ہماری مسجد میں ایک سانپ ہے۔ تم اسے پکڑ لو۔ جن نے حضرت کی خدمت میں عرض کی۔ کہ اگر میں اس سپیرے پر غالب آگیا تو آپ کو اور دوسرے حاضرین کو عجیب منظر دکھا کر محظوظ کردوں گا۔ اور اگر خدانخواستہ یہ مجھ پر غالب آجائے تو آپ کسی طریقہ سے مجھ کو اس کے پنجہ سے چھڑا لیں۔ اب وہ جن سانپ بن گیا۔ اور آپ نے اس سپیرے کو بلایا سپیرا آگیا۔ اور اس نے بین بجانا شروع کردی۔ وہ جن سانپ کی شکل میں تھا۔ باہر نکل آیا۔ یہاں تک کہ مسجد میں نماز کی اس حد تک جا پہنچا جس سے باہر وہ سپیرا کھڑا بین بجا رہا تھا۔ سپیرے نے سانپ کو جو دیکھا تو حضرت سے کہنے لگا۔ اگر میں نے اس سانپ کو پکڑ لیا تو میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔ اور پھر اس نے کچھ ایسا منتر پڑھا کہ وہ سانپ ادھر ادھر بھاگنے لگا۔ اور اپنا سر زمین پر پٹخنے لگا۔ اور سپیرا کہنے لگا۔ کہ بھاگتا کیوں ہے میں تجھے چھوڑوں گا نہیں۔ بالآخر اس سپیرے نے سانپ کو پکڑ لیا حضرت نے کوشش کی کہ سپیرا اس کو چھوڑ دے مگر وہ اس کے چھوڑنے پر رضامند نہ ہوا اور کہنے لگا حضور! اگر یہ سانپ خدانخواستہ مجھ پر غالب آجاتا تو میرے لئے کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ اب میں اسے کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ مگر آخر کار آپ کے اصرار پر اس نے سانپ کو چھوڑ دیا۔ اور آپ نے اس کو دس روپے دیئے۔ اور جب وہ سپیرا چلا گیا تو آپ نے اس جن سے دریافت فرمایا کہ تجھے کیا ہو گیا تھا۔ کہ تو بھاگنے اور زمین پر سر پٹخنے لگا تھا اس نے آپ کو بتایا کہ حضرت اس سپیرے نے مجھ پر کچھ ایسا منتر پڑھا تھا۔ کہ مجھے آگ لگ گئی تھی۔ اس وجہ سے میرے ٹھہرنے کا کوئی مقام نہ تھا۔ یہ دونوں واقعات مجھے ماہر علوم عقلیہ و نقلیہ معالج ظاہر و باطن علامۂ زماں فخر دوراں ابوالفتح قاضی غلام محمود صاحب محدث ہزاروی مدظلہ العالی نے بتائے ہیں۔ (غلام سرور)

غوث زماں حضرت مولانا محمد غوث صاحب محدث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کے

شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ ہر فن بالخصوص تفسیر، حدیث اور فقہ کے پڑھنے کے لئے شائقینِ علوم اور پروانوں کا آپ کے گرد ہجوم رہتا تھا۔ آپ کے دن رات کے مشاغل میں علاوہ درس و تدریس کے فتاویٰ نویسی بھی شامل تھی اور آپ دور دراز سے آئے ہوئے خطوں اور دینی سوالات کے جوابات دیا کرتے تھے۔ اور چونکہ بڑی بڑی کتابیں بھی طلباء کے زیرِ تعلیم تھیں اور آپ ان کو نہایت جانفشانی اور شفقت سے پڑھاتے تھے۔ اس لئے طلباء کے مزید فائدے کے پیشِ نظر چند کتابوں کا رات کو مطالعہ بھی فرمایا کرتے تھے۔

موضع کھلابٹ کے قریب ایک بہت پرانا قبرستان ہے۔ اس کے اندر بیری کے بہت پرانے اور گھنے درخت ہیں۔ اسی قبرستان میں حضرت مولانا محمد غوث ہزاروی رحمۃ اللہ کے دادا حضرت شیخ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدفون ہیں۔ سردیوں میں گاؤں کی مسجدوں کے خادم نمازیوں کے لئے پانی گرم کرنے کے لئے قبرستان کے اسی جنگل سے ہمیشہ خشک لکڑیاں لاتے ہیں۔ اور درس گاہ کے طلباء بھی ہمیشہ یہاں سے اپنے جلانے کے لئے لکڑیاں لایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد غوث صاحب ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کے وقت طلباء جو خشک لکڑیاں لانے کے لئے اس قبرستان میں گئے اور ایک طالبِ علم خشک ڈالی توڑنے کے لئے ایک درخت پر چڑھ گیا تو اچانک نیچے آگرا اور وہیں مرگیا۔ حضرت اس وقت کہیں باہر تشریف لے گئے تھے۔ واپسی پر جب آپ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ اس مقام پر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ درخت کے نیچے ایک شہید کی قبر ہے۔ آپ نے اُس شہید سے مخاطب ہو کر کہا کہ اتنا جلال بھی نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ اُس بے چارے پردیسی کی جان ہی لے لی۔ آخر اس نے کیا قصور کیا تھا۔ خشک لکڑیاں ہی تو توڑ رہا تھا۔ جو دوسرے طلباء اور مسجدوں کے خادم بھی لے جاتے ہیں۔ بس یہ کہہ کر آپ واپس آگئے۔ رات عشاء کے بعد سونے کے وقت جو طلباء کی زیرِ تعلیم کتب کا مطالعہ کرنے بیٹھے تو دیکھتے کیا ہیں کہ کتابوں کے اوراق سب سفید ہی سفید ہیں، کوئی حرف ان میں لکھا ہوا نہیں۔ اِدھر اُدھر سے

ورق پلٹائے گئے۔ مگر سب سفید۔ آخر پریشان ہو کر کتابیں چھوڑ دیں اور وظائف پڑھنے لگے۔ مگر پھر بھی کوئی تاثیر ظاہر نہ ہوئی۔ بالآخر سحری کے وقت اپنے پیر خانہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جو کہ حور عشتی شریف میں تھا۔ اپنے مرشد صاحب کی خدمت میں جو حاضری ہوئی تو آپ نے پوچھا کہ اتنے سویرے کیسے آنا ہوا۔ آپ نے وہ تمام ماجرا سنایا اس پر آپ کے مرشد صاحب نے فرمایا کہ اب تو انشاء اللہ معاملہ ٹھیک ہو جائے گا۔ مگر آئندہ آپ احتیاط کریں۔ ان قبروں والوں میں بعض جلالی بھی ہوتے ہیں۔ جو خلافِ طبع معمولی سی بات بھی برداشت نہیں کرتے۔ چنانچہ آپ اپنے حضرت کی دست بوسی کے بعد واپس چلے آئے اور بدستور درس و تدریس میں مصروف ہو گئے اور کتابوں میں لکھا ہوا بدستور سب کچھ صحیح نظر آنے لگا۔

واضح ہو کہ اولیاء و فقراء خواہ وہ بقید حیات ظاہری ہوں۔ یا قبروں میں برزخی زندگی رکھتے ہوں ان میں دو قسم کے اولیاء و فقراء ہوتے ہیں، جمالی بھی اور جلالی بھی۔ چنانچہ اس پر ایک مستند واقعہ تحریر کیا جاتا ہے۔ جو کہ شیخ الاسلام والمسلمین سلطان المناظرین فخر المتکلمین حضرت علامہ مولانا قاضی محمد عبد السبحان صاحب ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا تھا۔ کہ

ایک مرتبہ کسی شہر میں کسی آدمی نے ایک اللہ والے اہلِ نظر سے پوچھا۔ کہ حضرت فقراء میں جمالی اور جلالی کیسے ہوتے ہیں۔ تو آپ نے اس کا شوق دیکھ کر فرمایا کہ فلاں بازار میں چلے جاؤ۔ وہاں ایک موچی بیٹھا لوگوں کے جوتے مرمت کر رہا ہے۔ وہ جمالی ہے۔ چاہے جتنی بار کہیں اس سے جوتا مرمت کرا ڈ گے۔ وہ غصے نہیں ہوگا۔ چنانچہ وہ شخص ان صاحب کے پاس چلا گیا۔ اور جوتا مرمت کرنے کے لئے ان کو کہا۔ تو ان صاحب نے اس شخص کو وہ جوتا اچھی طرح مرمت کر کے دیا۔ مگر یہ شخص تو چونکہ گیا ہی امتحان کی غرض سے تھا۔ جوتے کی مرمت کو ناپسند کرتے ہوئے بڑی کھلی باتیں کرنے لگا۔ تو اس پر اس بزرگ نے بجائے غصہ کے نہایت نرمی سے فرمایا کہ یہ کونسی بات ہے۔ اگر جوتے کی مرمت پسند نہیں تو لاؤ

اِدھر میں دو بارہ اچھی طرح مرمت کر دیتا ہوں۔ چنانچہ وہ جوتا دو بارہ مرمت ہوا۔ اُس شخص نے اسے پھر ناپسند کیا اور بُرا بھلا کہا۔ ایک دفعہ پھر اس بزرگ نے جوتے کی مرمت کی۔ اور پورے امتحان کے بعد وہ شخص واپس آگیا۔ جب وہ شخص اس اللہ والے کے پاس آیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ دیکھ لیا نا! یہ ہوتے ہیں جمالی! اب اگر جلالی بزرگ کو دیکھنا چاہتے ہو۔ تو شہر کی کچہری کے پاس چلے جاؤ وہاں ایک بوڑھا آدمی بیٹھا تربوز بیچ رہا ہے۔ وہ جلالی ہے۔ دیکھنا ذرا سوچ کر بات کرنا۔ چنانچہ وہ شخص اس بوڑھے بزرگ کے پاس پہنچ گیا۔ اور ان سے پوچھا کہ کیا تربوز بیچتے ہو۔ اس پر آپ نے ذرا سختی سے فرمایا۔ کہ کیا اندھا ہے دیکھتا نہیں کہ بیچ ہی رہا ہوں۔ پھر اس شخص نے ایک تربوز اٹھایا اور اس کی قیمت پوچھی پھر اس کو چھوڑ کر دوسرا تربوز اٹھایا۔ اور اس کی قیمت پوچھی۔ پھر تیسرا تربوز اٹھایا اور اس کی قیمت پوچھی۔ تو اُس بزرگ نے جلال میں آکر اس خریدار کو دو چار جوتے لگائے اور فرمایا کہ کیا تو نے ہر ایک کو وہی موچی سمجھ رکھا ہے۔ اور جب وہ شخص اس بتانے والے بزرگ کے پاس آیا تو انہوں نے فرمایا۔ کہ اب دیکھ لئے نا جلالی، جمالی (واقعہ ختم ہوا) ہمیشہ جلالی فقیروں سے دور رہنا چاہیئے۔ اور جمالی فقراء کا قرب بہت مفید ہوتا ہے۔ (ابوالفتح)

حضرت مولانا محمد غوثؒ کا مطالعہ کتب میں انہماک

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا۔ کہ شیر سرحد حضرت مولانا محمد غوث صاحب محدث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ طالب علمی کے زمانہ میں بمبئی میں تعلیم پا رہے تھے اور اتفاق سے جس مسجد میں آپ کا قیام تھا۔ وہ میراثیوں اور کنجروں کے محلہ میں واقع تھی۔ وہ لوگ تمام رات اونچی آواز سے گاتے اور ڈھول بجاتے رہتے تھے۔ مگر حضرت فرماتے تھے کہ میرے مطالعہ کتب میں کچھ فرق نہیں پڑتا تھا۔

شیر سرحد خطیب زمانہ حضرت مولانا محمد غوث صاحب۔ المعروف بڑے اجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک سو بیس سال عمر ہوئی ہے۔

حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ آپ ہوش سنبھالنے کے بعد سے اپنی عمر کے چالیس سال پورے ہونے تک دینی علم حاصل کرتے رہے۔ اور پھر چالیس سال تک۔ تدریس اور علم میں مصروف رہے۔ اور بقیہ عمر آپ نے زہد اور گوشہ نشینی میں گزاری ہے۔ صحیح طور پر آپ کا سن معلوم نہیں ہو سکا۔ البتہ حضرت والد صاحب سے اتنا سنا تھا کہ آپ کی زندگی کا کچھ حصہ انگریزوں کے ہندوستان میں آمد کے ابتدائی دور میں گزرا ہے۔

آپ کا انتقال اُس مکان میں ہوا۔ جو اب برادرم مفتی سیف الرحمٰن صاحب کے نامزد ہے۔ اور آپ کو قطب ارشاد شاہ شیر محمد غازی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پُر انوار کے قریب موضع داڑی کے مشہور قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔

فقیر پر تقصیر نے حالتِ کشف میں دیکھا ہے کہ بڑے اجی صاحب حضرتِ موصوف کا قد لمبا۔ رنگ سانولا۔ جسم پتلا۔ داڑھی سفید۔ و درمیانی زیادہ گھنی نہیں۔ کپڑے سفید کرتہ معمولی ململ کا پہنے ہوئے ہیں۔ اور فقیر نے یہ بھی دیکھا ہے کہ حضرت موصوف میرے اس حالات لکھنے پر بہت خوش ہو رہے ہیں۔ اور فرماتے ہیں بیٹا تمہیں بہت ترقی ہو گی
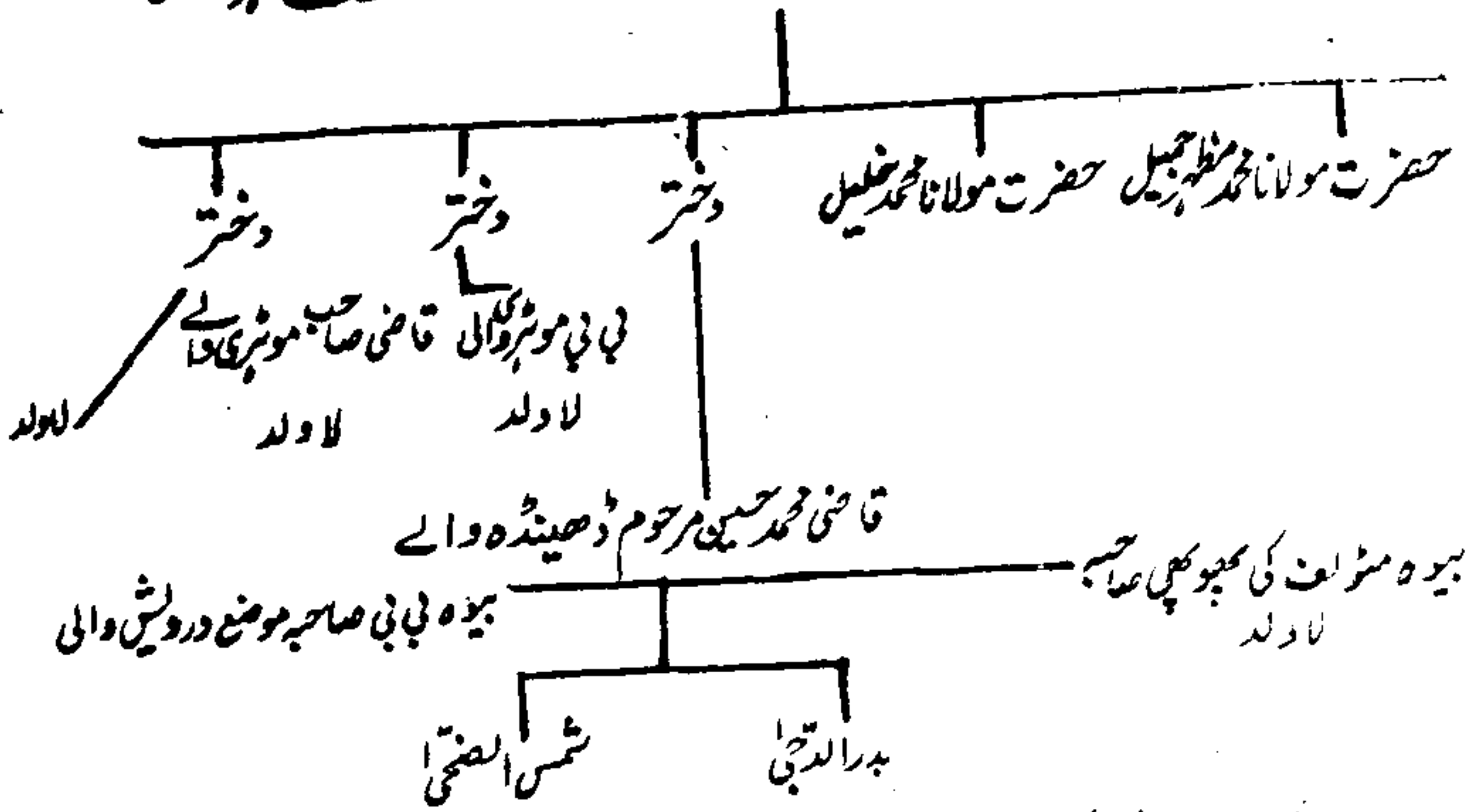
آپ کی ایک لڑکی کی شادی قاضی عبدالقیوم صاحب سکنہ ڈھینڈہ تحصیل ہری پور ہزارہ سے ہوئی۔ قاضی صاحب موصوف مایۂ ناز حکیم تھے۔ سخت مرضوں کا علاج چند پیسوں کے نسخے سے کر دیتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کو موضع بنیالہ لقوہ کے مریض کے علاج کے لئے جایا گیا۔ تو جاتے ہوئے آپ دریائے دوڑ سے بوٹی تارہ میرہ (جو وہاں ہمیشہ بہنے والے پانی میں خود اُگتی ہے۔ یہ تارہ میرہ نہیں جو پنجاب میں اگایا جاتا ہے) اکھاڑ کر ساتھ لے گئے اور پھر اسی سے لقوہ کا علاج فرمایا۔ جس سے مریض صحت یاب ہو گیا۔ بہت قابل طبیب تھے۔ خدا رحمت کرے ان کی روح پر۔ دوسری لڑکی کی شادی موضع پھیڈیاں نزد چنبہ پنڈ علاقہ سرائے گدائی ضلع کیمبل پور سے ہوئی۔ جن سے قاضی صاحب موہڑی والے اور بی بی موہڑی والی پیدا ہوئے۔ قاضی صاحب موہڑی والے ماہر طبیب تھے۔ والد صاحب (قاضی محمد عبدالسبحان رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں۔ کہ موضع سکندر پور کے ایک قاضی صاحب کے علاج کے لئے۔ قاضی صاحب (اب یہ اچھی طرح یاد نہیں رہا کہ وہ قاضی عبدالقیوم صاحب ڈھینڈہ والے تھے یا موہڑی والے) کو بلایا گیا۔ موصوف کے وہاں پہنچنے سے کچھ قبل وہ بیمار چل بسا۔ معالج قاضی صاحب نے کسی دوا سے مردہ کی مالش کرائی تو وہ مردہ باتیں کرنے لگ گیا۔ اور پھر کافی دیر تک

باتیں ہوتی رہیں اور پھر وہ مرگیا۔ یہ تھا حضرت کے علاج کا کرشمہ۔

بی بی صاحبہ موہڑی والی نے اپنے بھائی قاضی صاحب سے کئی مرضوں کے علاج اور دوائیں سیکھ لی تھیں۔ اور آخر دم تک کئی قسم کی شربتیں اور عرق بنایا کرتی تھیں۔ شربت دینار۔ شربت فولاد وغیرہ تیار کرتی تھیں۔ بی بی موصوفہ بہت نیک پابند صوم وصلوٰۃ تھیں۔ چاشت اور اشراق تک کبھی قضا نہیں ہوتی تھی (مؤلف کتاب ابو الفتح غلام محمود) نے بی بی صاحبہ کو کئی بار دیکھا ہے۔ ان کے گھر موہڑی جانے کا اتفاق بھی کئی دفعہ ہوا۔ اور وہ خود بھی کئی مرتبہ موضع کھلابٹ تشریف لے گئیں۔ ہمارے خاندان کی ان پرانی بیبیوں کا کہیں جانے آنے میں طریقہ یہ تھا۔ کہ رات کے وقت عشاء کے بعد اپنے کسی قریبی رشتہ دار یا محرم کے ساتھ گھر سے نکلتی تھیں۔ یہاں تک کہ موضع موہڑی سے کھلابٹ (جو ۱۲۔۱۴ میل سے کم فاصلہ نہ ہوگا) بھی اگر جانا ہوتا۔ تو گھوڑی پر سوار ہو کر رات کے اندھیرے میں بی بی موہڑی والی اپنے خاوند جن کا نام حضرت میر صاحب ہے کے ساتھ گھر سے نکلتیں اور کئی مرتبہ رات کے دو یا تین بجے کھلابٹ پہنچتیں۔

موضع ڈھینڈہ والی بڑی بی بی ہمارے والد صاحب کی پھوپھی صاحبہ کا بھی آمدورفت میں یہی معمول وطریقہ تھا۔ یہاں تک کہ ہماری وہ پھوپھی صاحبہ (جو وفات پا گئی ہیں۔ اور ان کی قبر موضع واڑی کے آبائی قبرستان میں ہے کو بھی اسی طریقہ پر چلتے دیکھا ہے۔ خدا رحمت کرے ان بیبیوں پر جو پیکرِ عفت، اور شرم وحیا کا مجسمہ تھیں۔ اگر کسی اپنے قریبی گھر میں جانا ہوتا تو عورتیں ان کو رات کے اندھیرے میں اٹھا کر لے جاتی تھیں۔ سنا ہے کہ ہمارے پرانے مکان (جو اب برادرم مفتی سیف الرحمن صاحب کے نامزد ہے) کے پڑوسی کریم حیدر زرگر کی والدہ مسماۃ بیگم جی اور شاہ حسین دکاندار کھلابٹ پڑوسی کی والدہ جن کا نام محرم جی تھا۔ ہمارے گھر کی بیبیاں خصوصاً حضرت والد صاحب کی پھوپھی موضع ڈھینڈہ والی اور پھوپھی موضع جوڑا بنڈ والی کو رات کے اندھیرے میں خود اٹھا کر۔ یا کسی پالکی وغیرہ میں از راہِ ادب اٹھا کر ان کے کسی قریبی گھر میں لے

جاتیں۔ جہاں انہوں نے کسی خاص ضرورت کے تحت جانا ہوتا تھا۔ مثلاً بڑے بھائی صاحب کے گھر۔ حضرت والد صاحب کی ڈھینڈہ والی پھوپھی صاحبہ کو میں نے بھی کئی دفعہ دیکھا۔ اور ان کی مجلس میں بیٹھی ہوں۔ ان کی باتیں سنی ہیں۔ بہت نیک اور پارسا۔ تہجد، اشراق، چاشت وغیرہ نمازوں کی پابند خاتون تھیں۔ غالباً ان کے پاس میں نے وہ بڑا قرآن مجید بھی دیکھا ہے۔ جو شیرِ سرحد حضرت مولانا محمد غوث صاحب المعروف بہ بڑے اجی صاحبؒ۔ نے ان کو دیا تھا۔ یہ محترمہ اکثر تلاوت قرآن مجید میں مصروف رہتی تھیں۔ ان کی باتیں گہرے غور اور عقل و فہم کا نتیجہ ہوتی تھیں۔ سننے والا ان کی گفتگو سن کر ان کی دانائی و عقلمندی کا قائل ہو جاتا۔ اور ان کے تدبر کو خراجِ تحسین پیش کئے بغیر نہ رہ سکتا۔

حضرت جدّا مجد مولانا محمد غوث صاحب المعروف بہ بڑے اجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تیسری لڑکی کی شادی موضع جوڑا پنڈ تحصیل ہری پور کے زمیندار قدرت اللہ صاحب سے ہوئی۔ جناب قدرت اللہ صاحب حضرت خواجہ شمس الدین صاحب سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ قدرت اللہ صاحب موصوف افسوس کے ساتھ کہا کرتے تھے۔ کہ میں اور حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ گولڑہ شریف والے عموماً سیال شریف اکٹھے جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ہم دونوں نے حضرت حضرت پیر سیالوی کی خدمت میں حاضری دی۔ جب داخل ہوئے تو پیر صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ لبس سید ھے سادے مہر علی شاہ ہی دکھائی دیتے تھے۔ مگر جب اندر سے خلافت لے کر باہر نکلے تو پیر صاحب کا رنگ کچھ نرالا ہی تھا۔ مگر میں وہی قدرت اللہ رہا جو کہ پہلے تھا۔

حضرت مولانا محمد مظہر جمیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی

حضرت مولانا محمد مظہر جمیل صاحب شیر سرحد، قطب زماں حضرت مولانا محمد غوث صاحب المعروف بہ بڑے اجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے تھے۔

مطالعہ کتب میں آپ کا انہماک واستغراق

طالب علمی کے زمانہ میں آپ کسی مقام پر (اب اس جگہ کا نام یاد نہیں رہا) دینی تعلیم پا رہے تھے۔ کتاب کا مطالعہ کرنے بستی سے کہیں باہر تشریف لے گئے۔ کتاب دیکھی مگر ایک مقام کو نہ سمجھ سکے۔ وہاں سے اٹھ کر اس مقام کو سوچتے چلے آرہے تھے۔ کہ راستے کے قریب کسی زمیندار کا گٹھا گدھی پر سے گر گیا تھا اور وہ اس کو گدھی پر دوبارہ لادنے میں مدد کے لئے حضرت کو پکارنے لگا۔ کئی آوازیں دیں۔ مگر یہاں تو کتاب کا مسئلہ حل رہا تھا۔ یہاں اس کی آواز کو کون سنتا تھا۔ وہ آوازیں دیتا دیتا آپ کے قریب آ گیا اور ہاتھ پکڑ کر کہتا ہے۔ کیا تم دیوانے ہو۔ فرمایا نہیں اللہ کے فضل سے ہوشیار و عقل والا ہوں۔ کہنے لگا اچھے عقل والے ہو کہ آوازیں دے دے کر میرا گلا بیٹھ گیا۔ مگر تم ہو کہ سنتے ہی نہیں۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے۔ فرمایا کہ میں کتاب کے ایک مسئلہ کو حل کرنے کی سوچ میں تھا۔ اس لئے تمہاری آواز نہ سن سکا۔ اور پھر آپ نے گھاس کے اس گٹھے کو گدھی پر لادنے میں اس کی مدد فرمائی۔

حضرت والد صاحب (قاضی محمد عبد السبحان صاحب رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے تھے کہ حضرت موصوف علم نحو و منطق کی درمیانی کتب بھی اچھی طرح پڑھا لیتے تھے۔ مگر علم فقہ میں تو آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی۔ اور آپ ایک بہترین خوش گلو بھی تھے۔ آپ کا وعظ بہت پر اثر ہوتا تھا۔ اکثر حاضرین آپ کے وعظ میں روتے رہتے تھے۔ حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ میں نے ایک دفعہ حضرت موصوف کی خدمت میں عرض کیا کہ میر عالم ہو ضلع کھلابٹ کا ایک شخص) بہت سخت دل ہے۔ اس پر آپ کے وعظ کا کبھی اثر نہیں ہوا۔ اور یہ کبھی آپ کے وعظ میں نہیں رویا۔ اس پر حضرت فقیہ اعظمؒ نے فرمایا کہ اب کی دفعہ جمعۃ المبارک میں میر عالم مذکور سے کہہ دینا کہ وہ میرے سامنے بیٹھے حضرت والد صاحب فرماتے تھے۔ کہ میر عالم سے حضرت کے سامنے بیٹھنے کو کہا گیا اور حضرت نے اپنے وعظ میں اس پر اپنی توجہ رکھی۔ اثر یہ ہوا کہ میر عالم مذکور پھوٹ پھوٹ

کر رونے لگا۔

مؤلف کتاب ابوالفتح غلام محمود

اس واقعہ سے تو یہ معلوم ہوا کہ حضرت فقیہ اعظم نہ صرف خوش الحان اور ایک اچھے واعظ تھے۔ بلکہ صاحبِ کرامت اور توجہ و تصرف بھی تھے۔ کیونکہ آپ کے پہلے مواعظ میں دوسرے لوگوں کا رونا اور میر عالم کا نہ رونا۔ اور پھر حضرت کی خصوصی توجہ سے میر عالم مذکور کا رونا ہی بتلاتا ہے۔ کہ اثر خوش الحانی کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ آپ کی باطنی توجہ کا نتیجہ تھا۔

حضرت موصوف ایک کامل اور باعمل عالم تھے

بمبئی شہر میں کسی شخص کی لڑکی پر جنّات کا سایہ تھا۔ کئی عامل لوگوں کو بلایا گیا۔ مگر فائدہ نہ ہوا۔ جو بھی عامل آتا۔ جنّات اس پر پتھر پھینکتے اور اس کے اوپر پلیدی پھینک کر اس کے کپڑوں کو پلید کر دیتے تھے۔ اور یوں اس کا عمل بے اثر ہو جاتا۔ آخر حضرت موصوفؒ کو بلایا گیا۔ آپ نے سب سے پہلے مکان کے چار گوشوں پر بانس گاڑ ڈالے۔ پھر ان کے ساتھ رسی بندھوا کر چار تعویذ باندھ دیئے۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ پتھر تو آتے رہے۔ مگر وہ پلیدی نہ پھینک سکے۔ اور جو پتھر آتے تھے وہ بھی کبھی ادھر اور کبھی اُدھر یونہی جا گرتے تھے۔ کسی کے اوپر نہیں پڑتے تھے۔ پھر آپ نے جنّات کو نکالنے کے لئے اصل عمل کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ جنّات چلے گئے۔ اور گھر کے لوگ آپ کے مرید ہو گئے۔ بنگال کے اکثر لوگ فقیہ اعظم حضرت مولانا محمد مظہر جمیل صاحب مؤلف کتاب کے دادا رحمۃ اللہ اور حضرت مولانا محمد خلیل صاحب محدث ہزاروی رحمۃ اللہ کے مرید تھے۔ آپ سال میں دو دفعہ وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ کبھی ایک بھائی اور کبھی دوسرے تشریف لے جاتے تھے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ موضع کھلابٹ کا روشن دین زرگر حضرت مولانا محمد خلیل صاحب کے ہمراہ بنگال جایا کرتا تھا۔ اور آپ ہی کے ذریعہ اس کی وہاں جان پہچان ہو گئی تھی حضرت کے انتقال کے بعد بھی روشن دین زرگر جناب دین

کا والد وہاں جایا کرتا تھا۔ جس کو مؤلف کتاب نے بھی دیکھا ہے۔ اور اس کے بنگال جانے کی خبر کو سنا ہے۔

فقیہہ اعظم حضرت مولانا محمد مظہر جمیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے روزانہ کے معمولات

حضرت والد صاحب فرماتے تھے۔ کہ دلائل الخیرات، درود مستغاث۔ سورہ مزمل مع مؤکلات، اور دعائے سریانی، وحزب البحر کا پڑھنا روزانہ بعد از نماز فجر آپ کا معمول تھا۔ سورۂ مزمل کے آپ اچھے عامل تھے۔ اور مشہور پندرہ بڑا تعویذ کے بھی آپ عامل تھے۔ اور نہ معلوم اور کن کن عملیات کے آپ عامل ہوں گے۔ کیونکہ آپ کے دست مبارک کی لکھی ہوئی اچھی خاصی ضخیم تعویذات و عملیات کی قلمی کتاب اب بھی بوسیدہ حالت میں موجود ہے۔ حضرت والد صاحبؒ سے سنا تھا کہ فقیہہ اعظم ان تمام عملیات کے عامل تھے جو کہ کتاب مذکور میں درج ہیں۔

جنات کا تابع ہونا

جنات حضرت کے فرمانِ عالی کے تابع تھے۔ ایک واقعہ جس کو مؤلف کتاب ابوالفتح غلام محمود نے خود جناب پھوپھی صاحبہ مرحومہ (جن کا مزار موضع داڑی کے قبرستان میں واقع ہے) کی زبانی سنا تھا۔ پھوپھی صاحبہ نے بیان کیا۔ کہ ایک دفعہ شام کو حضرت والد صاحب (مؤلف کتاب کے دادا جی) رحمۃ اللہ علیہ نے گھر والوں سے فرمایا کہ سالن اور روٹی مکان کے اندر میرے مصلے کے پاس رکھ دو۔ اور دروازے کا ایک کواڑ بند کردو۔ اور دوسرا نیم کھلا رہنے دو۔ چنانچہ ہم نے دال اور روٹی آپ کے مصلے (جائے نماز) کے پاس رکھ دی اور دروازے کا ایک کواڑ تو بند کر دیا اور دوسرے کے آگے لکڑی رکھ کر اس کی ٹیک کے سہارے اس کو یوں نیم کھلا رہنے دیا۔ کھانا کھا کر ہم مکان کے صحن میں چارپائیوں پر لیٹ گئے۔ رات کا کافی حصہ گذرنے کے بعد لاٹھی جس کے سہارے دروازے کا ایک کواڑ کھڑا تھا۔ گر گئی اور السلام علیکم

السلام علیکم کی دو دفعہ آوازیں آئیں۔ جو بہت ہی باریک آوازیں تھیں۔ اور علامہ حضرت صاحب موصوف بنے جواب میں وعلیکم السلام فرمایا۔ اور ان کی السلام علیکم کے ساتھ ہی ہیر درخت کو نیچے پھینکنے کی آواز بھی آئی۔ حضرت نے پوچھا کہاں سے آرہے ہو۔ کہنے لگے کابل سے آرہے ہیں۔ فرمایا کیا کھانا کھایا ہے۔ کہنے لگے جی کیا بتائیں کیا کھایا اور کیا نہ کھایا۔ ہم آئے ہیں ہری پور کی سمت سے اور ہمیں بھوک لگی ہوئی تھی کھانا کھانا تھا۔ ہم نے سوچا چلو قاضی میر عالم سکندر پور والے کے ہاں چلتے ہیں۔ تو جب ہم اس کے ہاں پہنچے ویسے تو بڑی باتیں بنایا کرتا تھا۔ اور گھر میں جو پکایا تھا۔ اس کا نام رکھا تھا قورمہ۔ مگر تھا خالص پانی دال کا دانہ نظر نہ آتا تھا۔ (گوشت اور دال ملا کر جو پکاتے اسے قورمہ کہا کرتے تھے۔) اور وہ لگے قاضی میر عالم کو صلواتیں سنانے۔ حضرت نے فرمایا کہ چلو جانے دو کھانا حاضر ہے کھالو مگر ہے دال روٹی۔ انہوں نے کھانا لیا اور کھانے لگ گئے۔ کہنے لگے جی یہ دال روٹی قاضی میر عالم کے قورمہ سے اچھی ہے۔ پھوپھی صاحبہ نے فرمایا کہ اس کے بعد حضرت کے ساتھ ان کی باتیں تو کافی دیر تک ہوتی رہیں مگر بالکل آہستہ۔ کہ ہم سمجھ نہ سکتے تھے۔ اور پہلی گفتگو کی صحیح سمجھ آتی رہی۔ اور صبح ہم نے دیکھا تو مکان کے اندر ایک بہت بڑا انار کا درخت پختہ اناروں سمیت پڑا تھا۔ اس کے انار جو استعمال کئے گئے تو اس قدر میٹھے نکلے کہ ایسا کوئی انار کھانے میں نہیں آیا تھا۔

دوسرا واقعہ

ان پھوپھی صاحبہ ہی کی زبانی مؤلف کتاب ابوالفتح نے خود سنا کہ حضرت فقیہہ اعظم اپنی موضع جوڑا پنڈ والی ہمشیرہ کو گھر چھوڑنے موضع کھلابٹ سے رات کو عشاء کے وقت جارہے تھے۔ آپ کی ہمشیرہ صاحبہ گھوڑی پر سوار تھیں۔ اور یہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ ہمارے خاندان کی مستورات نے جہاں بھی جانا ہوتا ارات کو اپنے کسی محرم کے ساتھ جایا کرتی تھیں۔ اب بھی خدا کے فضل سے اور بزرگوں کے نام و نسبت کی برکت سے اتنا باقی ہے۔ کہ ہمارے گھر کی مستورات کسی کے گھر نہیں جاتیں۔ چاہے مکان کی مشترکہ دیوار کے پیچھے ہی کوئی فوت ہوگیا ہو۔ بڑا ہو یا چھوٹا۔ شادی ہو یا غمی ہمارے گھر کی کوئی عورت دپردہ نشین کہیں نہیں

جائے گی۔ اور خدا بھلا کرے اللہ لوگوں کا کہ اس گئے گذرے دور اور چودھویں صدی کے آخر میں بھی وہ ہم سے ناراض نہیں ہوتے۔ اور ہم سے کسی قسم کی رنجش یا شکوہ نہیں کرتے اور اگر ہمارے گھر کوئی شادی یا غمی ہو۔ تو سب بڑے چھوٹے لوگوں کی مستورات ہمارے گھر آجاتی ہیں۔ کوئی یہ نہیں کہتا کہ ان کی مستورات کسی شادی یا غمی کے موقعہ پر رات کے وقت بھی ہمارے گھر نہیں آتیں۔ تو ہم دن میں کیوں جائیں۔ اور یہ طریقہ سالہا سال سے بدستور اب تک جاری ہے۔ یہاں تک کہ اگر ہم اپنے مولد و وطن سے باہر کہیں قیام پذیر ہوں۔ تو بھی اسی طریقہ پر عمل ہوتا ہے۔ چنانچہ مجھے (مؤلف کتاب ابوالفتح غلام محمود کو) جہلم شہر میں جامع مسجد عید گاہ کی خطابت پر مامور و مقرر ہوئے بارہ سال گذر چکے ہیں۔ کسی کی شادی یا غمی میں میرے گھر کی مستورات کبھی نہیں گئیں۔ اور جب میرے بچے محمد مظہر سبحان کا انتقال ہوا تو اتنی عورتیں آئیں کہ گھر میں تو تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی۔ گلی بھی بھری پڑی تھی۔ اور بالآخر مکان کی قریبی سڑک پر قناتیں لگانا پڑیں اور یہ سب کچھ اللہ کا فضل اور پردہ نشینی کی برکت ہے۔ اس سے نتیجہ یہ معلوم ہوا کہ جب کوئی آدمی شریعتِ محمدیہ کے احکام پر عمل کرنے کی سعی کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے۔ اور اس کی عزت ہر موقعہ پر قائم رکھتا ہے۔ اب آج کل کی عورتوں کا یہ کہنا کہ "جی ہم بازار میں سودا خریدنے اس لئے جاتی ہیں کہ مرد دکانوں پر یا اور کسی جگہ کاروبار میں مصروف ہوتے ہیں تو سودا سلف کون لاکر دے" صرف بازار میں گھومنے پھرنے کا ایک بہانہ ہے ورنہ ہر کام کے لئے اللہ سبب بنا دیتا ہے۔ بشرطیکہ عمل اور عقیدہ پختہ ہو۔ آخر وہ عورتیں بھی تو گذارا کر ہی رہی ہیں۔ جو ہمہ وقت پردہ نشین رہتی ہیں۔ ہاں تو راستے میں پانی کا ایک نالہ آیا۔ حضرت گھوڑی کو ہانکنے لگے۔ مگر وہ آگے جانے کے لئے ڈرتی، چیختی اور واپس پیچھے کو لوٹتی تھی۔ آپ نے اسے ڈرایا دھمکایا اور مارا مگر وہ آگے جانے کا نام نہیں لیتی تھی۔ آخر آپ گھوڑی کے آگے ہو کر اس کو کھینچنے لگے۔ تو جنات نے ایک قہقہہ لگایا۔ حضرت نے فرمایا۔ "خبیثو" تم ہو کتنی تکلیف پہنچائی۔ کہنے لگے "جی ہم نے اس لئے ایسا کیا کہ دیکھیں حضرت کیا کرتے ہیں"

جنات کے تابع ہو جانے کے بعد بھی خطرہ رہتا ہے۔ ایک دفعہ حضرت موصوف پنی جامع مسجد کے گوشے میں سو رہے تھے (مسئلہ) دلیسے تو مسجد میں سونا کھانا۔ پینا منع ہے۔ لیکن اگر اعتکافِ مستحب کی نیت کرلے پھر چاہے ۵ منٹ ہی مسجد میں ٹھہرے ثواب کھانا۔ پینا۔ سونا مسجد میں جائز ہو جائے گا۔

ہاں تو حضرت آرام کر رہے تھے اور چند جنات نے مل کر مسجد کا بہت بڑا شہتیر اٹھا کر معاذ اللہ آپ کا سر اقدس شہتیر اور ستون کے درمیان رکھنا چاہتے تھے۔ ان کی باتیں سن کر آپ جاگ اٹھے اور بڑے رعب کے ساتھ ان سے فرمایا یہاں کیا کر رہے ہو۔ وہ ہاتھ جوڑ کر عرض کرنے لگے۔ جی حضرت بس یونہی دل لگی کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا جاؤ یہاں سے چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ چلے گئے۔

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت موصوف ماہرِ عملیات اور بڑے بڑے کشتہ جات کے بنانے کے بھی ماہر تھے۔

فقیہہ اعظم مناظرِ اسلام حضرتِ موصوف کے مناظرے

حضرت موصوف ایک بلند پایۂ عامل اور متقی و پرہیز گار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند پایۂ مناظر بھی تھے۔ اپنی بات کو دوسروں سے منوانا آپ کے لئے ایک معمولی بات تھی۔

(۱) تربیلہ ضلع ہزارہ کے موضع لقمانیاں میں کچھ لوگوں نے بر لبِ سڑک ایک مسجد بنائی (اب بھی وہ مسجد موجود ہے) مسجد مذکور کی تعمیر کے بعض لوگ مخالف تھے۔ وہ لوگ موضع کوٹ نجیب اللہ سے مولوی منہاج الدین صاحب کو اپنے ہاں لے گئے۔ اور غالباً مولوی سکندر علی صاحب موضع شاہ محمد والے بھی ان کے ہمراہ تھے۔ مولوی منہاج الدین صاحب نے وہاں پہنچ کر بلند بانگ دعاوی کرنا شروع کئے کہنے لگے منہاج الدین یہاں آ بیٹھا ہے۔ اب کون ہے جو سامنے آئے۔ فریقِ اول جو مسجد کی تعمیر کے حامی تھے مجبوراً حضرت فقیہہ اعظم، مناظرِ اسلام کے پاس موضع کھلابٹ پہنچے۔ اور حضرت موصوف سے فریادی ہوئے۔ ان لوگوں کے کہنے پر آپ موضع لقمانیاں، تربیلا میں ان کے ساتھ

تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ مولوی منہاج الدین صاحب مع اپنے ہمرائیوں کے مسجد مذکور کے اندر جوتوں سمیت بیٹھے نسوار تھوک رہے ہیں۔ حضرت فقیہہ اعظم مناظرِ اسلام کے پہنچنے پر مولوی منہاج الدین صاحب سے مناظرہ شروع ہوا۔ مولوی منہاج الدین صاحب نے کہا کہ یہاں کے ان مسلمانوں نے جو یہ مسجد بنائی ہے یہ مسجد ضرار ہے۔ اور اس کی تعمیر سے ان کی نیت فساد و تفرقہ کی ہے۔ مولوی صاحب کی تقریر کے بعد مناظرِ اسلام نے فرمایا کہ مولوی صاحب جب آپ خود ان لوگوں کو مسلمان کہہ رہے ہو۔ جنہوں نے یہ مسجد تعمیر کی۔ تو پھر یہ ضرار کیسے ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ایک مسلمان کی تعمیر کردہ مسجد تو ضرار نہیں ہو سکتی۔ اور قرآنِ کریم نے جن لوگوں کی تعمیر کو مسجد ضرار کا نام دیا ہے۔ وہ تو کافر تھے۔ آیات کے شانِ نزول۔ مفسرین کرام کی تصریح اور خود قرآن حکیم کے اپنے الفاظ "وکفراً" سے بھی معلوم ہوا ہے۔ اور جب آپ نے اس مسجد کے تعمیر کرنے والوں کو مسلمان کہہ دیا ہے۔ تو پھر آپ نے اس مسجد کے ضرار نہ ہونے کا خود ہی اعتراف کر لیا ہے۔ اس پر مولوی منہاج الدین صاحب جیسا منطقی اور متکلم شخص بالکل خاموش ہو گیا۔ لوگوں نے خوشی منائی اور نعرے بلند ہوئے۔ اس سے قبل جب حضرت مناظرِ اسلام اس مسجد میں داخل ہوئے تو آپ اپنے جوتے اتار کر مسجد کے شایانِ شان ادب کے ساتھ مسجد میں داخل ہوئے تھے۔ جس پر مولوی منہاج الدین صاحب اور ان کے ساتھی ہنسنے لگے تھے۔ کیونکہ وہ جوتوں سمیت مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ بالآخر مولوی منہاج الدین صاحب نے مناظرِ اسلام فقیہہ اعظم کا موقف تسلیم کر لیا۔ اور مسجد سے اپنا تھوک اٹھوانے کو کہا۔ اور یوں حضرت کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ اس واقعہ سے حضرت کے حسنِ تدبر۔ شانِ فقاہت۔ قرآن فہمی اور بلند پایہ مناظر ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ بلکہ سچ پوچھیئے تو یہ حضرت کی کرامت تھی۔ کہ اتنے بڑے منطقی کو چند منٹوں میں قائل کر لیا۔ مولوی منہاج الدین صاحب بڑے منطقی اور مناظر عالم تھے جو کہ مولانا حافظ دراز صاحب پشاوری محشی قاضی مبارک سے (جو کہ بہت بڑے منطقی اور مشہور عالم دین تھے) مناظرہ کرنے پشاور گئے تھے۔ مگر حضرت فقیہہ اعظم کے سامنے

انہیں (مولوی منہاج الدین صاحب کو) بھی خاموش ہونا پڑا۔

دوسرا مناظرہ

قاضی میر عالم صاحب آف قاضیاں سخت قسم کے غیر مقلد تھے۔ اور کئی مناظروں میں حضرت فقیہہ اعظمؒ سے ہار چکے تھے۔ بالآخر انہوں نے سید محمود شاہ صاحب آف ڈھینڈہ سے التجا کی اور حضرت مناظر اسلام کو مناظرہ کی دعوت اور اطلاع دئے بغیر اچانک سید محمود شاہ صاحب موصوف کو موضع کھلابٹ لے آئے۔ مغرب کے بعد ایک آدمی نے آکر اطلاع دی کہ سید محمود شاہ صاحب آپ سے ملنے آرہے ہیں۔ اس وقت اتفاق سے حضرت فقیہہ اعظم اندھیرے میں بیٹھے تھے۔ اُس آدمی نے کہا کہ حضرت چراغ جلالو کیونکہ مہمان آرہے ہیں۔ فرمایا جب میں خود اندھیرے میں بیٹھا ہوں تو میرے مہمان بھی اندھیرے میں بیٹھ جائیں گے۔ چنانچہ سید محمود شاہ صاحب قاضی میر عالم صاحب کے ہمراہ آپہنچے اور بیٹھتے ہی مناظرہ شروع ہوگیا۔ اُس مناظرہ کی پوری روئیداد تو معلوم نہیں ہوسکی۔ البتہ اتنا معلوم ہے۔ کہ یہ مناظرہ مسئلہ جمعہ پر ہوا تھا۔ جس میں حضرت مناظر اسلام کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ اور سید محمود شاہ صاحب کو ایسی شکست ہوئی۔ کہ وہ کہنے لگے کہ مجھے کیا معلوم تھا کہ اتنے بڑے عالم ہیں ورنہ میں مناظرہ کرنے نہ آتا۔ قاضی میر عالم نے مجھ سے غلط بیانی کرکے مجھے رسوا کیا ہے۔ یاد رہے کہ یہ حضرت سید محمود شاہ صاحب مرحوم آف ڈھینڈہ بہت خوش الحان اور متؤثر ترین واعظ اور صاحب کشف اور بزرگ عالم تھے۔ اور خطیب پنجاب تھے۔ انگریز ان کی قدر کرتے تھے اور پالکی میں ڈال کر نوکروں سے ان کی پالکی اٹھواتے تھے محض ان کی خوش آوازی کی بنا پر انگریزوں نے ان کو کئی مربعے ضلع لائل پور میں جاگیر دی تھی۔ اور بعد میں ان کے صاحبزادے سید احمد شاہ صاحب کہ وہ بھی اپنے والد کی طرح بہت خوش آواز اور متؤثر واعظ تھے کو ورثہ میں ملے۔ اور پھر آج کل بڑے شاہ صاحب کے پوتے سید انور شاہ صاحب کے حصہ میں آئے۔ سید انور شاہ صاحب عرصہ سے ان مربعوں میں رہ رہے ہیں۔ سنا ہے کہ یہ شاہ صاحب بھی اچھے خوش الحان اور ایک اچھے واعظ ہیں۔ اور سید محمود شاہ صاحب

کو تو فی الواقع لحنِ داؤدی سے وافر حصہ ملا تھا۔ سید محمود شاہ صاحب آف ڈھینڈہ کی بات چھڑ گئی ہے۔ اور میرا اصلی مدعا بھی جہاں تک ممکن ہو اللہ والوں کی باتیں جمع کرنا ہے نہ صرف اپنے خاندانی بزرگوں کی۔ اس لئے دو ایک باتیں شاہ صاحب کی مزید پڑھتے چلیئے۔

ایک مرتبہ بلبلِ ہزارہ قاضی یحییٰ خاں صاحب نے بتایا تھا۔ کہ سید محمود شاہ صاحب آف ڈھینڈہ حویلیاں کے علاقہ میں وعظ کی غرض سے دعوت پر تشریف لے گئے۔ عشاء کے وقت قضائے حاجت کے لئے بستی سے باہر نکلے۔ چند آدمی بھی ان کے ساتھ گئے باہر جا کر ان سے فرمایا کہ تم لوگ یہیں ٹھہرو۔ میں فارغ ہو کر آتا ہوں۔ اور آگے تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد ان آدمیوں نے سنا کہ حضرت شاہ صاحب کسی سے باتیں کر رہے ہیں۔ حیران ہوئے کہ یہاں اس اندھیرے میں کون ہے۔ پھر جب شاہ صاحب واپس آئے تو ان سے باصرار پوچھا گیا کہ آپ کس سے باتیں کر رہے تھے۔ پہلے تو آپ نے بتانے سے احتراز ہی کیا۔ مگر اصرار کیا گیا تو بتایا۔ کہ یہاں حضرت خضر علیہ السلام سے باتیں ہو رہی تھیں۔

اس واقعہ سے جہاں حضرت شاہ صاحب موصوف کے مقام کا پتہ چلا وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت خضر علیہ السلام اس دنیا میں زندہ موجود ہیں۔ فقیر نے اس مسئلہ کو اپنی کتاب "سعیٔ محمود" میں ذرا تشریح سے لکھا ہے۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔

دوسری بات شاہ صاحب موصوف سے متعلق سرائے نعمت خان والے بزرگ شاہ صاحب (جو موضع کھلابٹ میں ہماری طرف سے بطور نائب امام مقرر ہوئے تھے) سناتے تھے۔ جس سے سید محمود شاہ صاحب کا حسنِ تدبر معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت سید محمود شاہ صاحب آف ڈھینڈہ پشاور والوں کی دعوت پر بغرضِ وعظ پشاور تشریف لے گئے۔ وہاں جب وعظ کرنے سٹیج پر کھڑے ہوئے تو کسی نے کہہ دیا کہ تم وہابی ہو تمہارا وعظ ہم نہیں سننا چاہتے۔ اب اس موقعہ پر آپ یہ بھی کہہ سکتے تھے۔ کہ یہ غلط ہے میں کب وہابی ہوں۔ مگر آپ نے جو جواب دیا وہ آپ کے تدبر کا آئینہ دار ہے

اور وہ یہ کہ فرمایا میں نے وہابیت سے توبہ کر لی ہے۔ بس سب خاموش ہو گئے۔ شاہ صاحب نے جمعہ کے مسئلہ پر عربی کتاب لکھی ہے۔ اور اپنے عقائد بھی اہل سنت وجماعت کے موافق رسالہ محمودیہ میں لکھے ہیں۔ یہ دونوں کتابیں مطبوعہ ہیں۔ اور شاہ صاحب سرائے نعمت خان والوں (جو کھلابٹ کے بعد موضع کانڈل میں امام مقرر ہوئے تھے۔) کی امانت میرے پاس موجود ہیں۔ یہ ان کو واپس کرنی ہیں۔ اس مجموعہ میں ایک رسالہ اردو میں کسی اور مصنف کا شیعہ کی تردید میں بھی ہے۔ سید محمود شاہ سے متعلق ثانی الذکر بات کو جناب قاضی شمس الدین صاحب آف درویش نے بھی مجھ سے بیان کیا تھا۔

ہاں تو حضرت داداجی فقیہہ اعظم، مناظر اسلام، حکیم الامت مولانا محمد مظہر جمیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے طالب علمی کے زمانہ میں آدان شریف ضلع گجرات میں حضرت قاضی سلطان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھی پڑھا تھا۔

ظلِ سبحانی، محبوب ربانی، سالار ارباب مجاہدہ، سردار اصحاب مشاہدہ قطب تفرید، لوائے توحید، جامع منقول و معقول۔ غوثِ زماں، سلطانِ آدان حضرت قاضی صاحب آدان شریف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ذکرِ خیر

مغربی پاکستان کے ضلع گجرات میں جموں کی سرحد پر ایک موضع آدان شریف آباد ہے۔ پہلے یہ موضع محمد پور آدان کے نام سے موسوم تھا۔ لیکن کثرتِ استعمال کے باعث محمد پور کا لفظ متروک ہو گیا۔ بعد میں ایک متصل گاؤں "آہی" کے قرب کی وجہ سے "آہی آدان" کے نام سے معروف ہوا۔ لیکن حضرت صاحب کی مقدس شخصیت کی وجہ سے جو شرف حاصل ہو گیا۔ تو پبلک کی زبان اور ڈاک خانہ کی مہر پر بھی "آدان شریف"

نام ہے۔ یہ گجرات سے بائیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ اور راہ میں دو برساتی ندیاں پڑتی ہیں۔ جو بارش کے دنوں میں بالخصوص ماہ ساون میں راستہ روک دیتی ہیں۔ موسم برسات کے سوا گجرات سے آدان شریف تک صبح سے شام تک تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد بسیں چلتی رہتی ہیں۔ پہلے تو صرف عرس کے دنوں میں بسیں چلا کرتی تھیں مگر اب ہر وقت چلتی رہتی ہیں۔ مؤلف کتاب کے دیکھتے دیکھتے آمد و رفت میں بڑی آسانی ہوگئی ہے۔ اس گاؤں کے اکثر باشندے تو ذات کے اعوان ہیں۔ مگر عرصہ دراز سے کھوکھر گوت کے راجپوتوں کا ایک خاندان بھی سکونت پذیر تھا۔ جس کے اکثر افراد، عالم، حافظ اور صالح تھے۔ مؤلف کتاب کے خاندان کے پیر طریقت قاضی سلطان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے ان کا ذریعہ معاش زمینداری تھا۔

ولادت، تربیت و تعلیم

حریم قدس سے اس جہانِ آب و گِل میں حضرت صاحب کی تشریف آوری کی شان تو دیکھو۔ کہ والدہ ماجدہ ابھی امید سے ہی تھیں۔ کہ ایک رات نور کے تڑکے کیا خواب دیکھتی ہیں۔ کہ ان کے گھر کی طرف سید طائفہ حضرت جنید[1] بغدادی کی سواری آرہی ہے۔ اس بشارت کی تعبیر میں بیساکھ (مئی) کا مہینہ تھا اور ۱۲۵۶ھ ختم ہو رہا تھا۔ حضرت غلام غوث رحمۃ اللہ علیہ حضرت صاحب آدان شریف کے والد ماجد کا عنوانِ شباب تھا۔ کہ آپ کے مشکوئے معلیٰ میں فرزندِ ارجمند کے تولد ہونے کی خبر دادا

---

[1] جنید بغدادی حضرت سری سقطی کے مرید اور حضرت ابوبکر شبلی کے پیر تھے۔ سید الطائفہ آپ کا لقب ہے۔ علوم ظاہر و باطن میں کامل تھے۔ اصول و فروع اور معاملات میں مقتدا اور امام تھے۔ تمام اہلِ طریقت آپ کی امامت پر متفق ہیں۔ آپ کے اقوال مستند اور کلام نہایت عالی ہے۔ اہلِ تصوف میں آپ امام و سید الطائفہ کہلاتے ہیں۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

نے سُنی۔ حضرت غلام مصطفیٰ صاحب حضرت قاضی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے جدِ حقیقی نے آپ کا نام سلطان محمود رکھا۔ کسے معلوم تھا کہ یہ نومولود ایک روز عالمِ ولایت کا سلطان اور سومنات ماسویٰ کے لئے محمود (غزنوی) ثابت ہو گا۔

ابھی آپ کی عمر تین چار سال کی ہو گی کہ دادا نے اس جہان فانی سے رحلت فرمائی۔ باپ کی نظر اپنے فرزند کی تعلیم و تربیت کی طرف بہت تھی۔ آپ نے نسخ و نستعلیق دونوں خطوں کی مشق جناب والد ماجد رحمتہ اللہ علیہ کی زیر نگرانی کی۔ مؤلف کتاب ابو الفتح غلام محمود کی نظر سے حضرت کی قلمی تحریریں (مثلاً شرح چغمینی علم ہیئت و ریاضی کی کتاب پر آپ کا قلمی حاشیہ) گذری ہیں۔ حرفوں میں ایسی آب نظر آتی ہے۔ کہ گویا موتیوں کی لڑیاں پرو دی گئی ہیں۔ خود حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو تحصیل علم کی طرف اس قدر شغف تھا کہ سب طرف سے بے تعلق ہو کر اسی ایک جانب جھک گئے تھے۔ گو شادی آوان صبا ہی میں ہو گئی تھی۔ مگر تحصیل علم کا اس پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ گو آپ کی تعلیم گھر میں شروع ہوئی تھی۔ مگر تکمیل تعلیم کے لئے گھر سے باہر جانا پڑا۔ چنانچہ حاجیوالا تحصیل گجرات میں، مفتی شیخ احمد صاحب سے۔ ملکہ تحصیل کھاریاں میں مولوی صدر الدین صاحب سے اور چنن گکھڑ ضلع گجرات کا سفر کرنا پڑا۔ چنن گکھڑ میں ایک زبردست عالم مولوی ابراہیم صاحب رہتے تھے۔ پھر موضع کھائی تحصیل جہلم میں مولوی نور احمد صاحب سے پڑھا۔ اس کے بعد دیگر مقامات پر مثلاً موضع کدلیتی۔ چکوال۔ تھوا محرم خان، جکی۔ عوزغشتی۔ وشمس آباد ضلع کیمبل پور اور پشاور وغیرہ گئے۔ اور مختلف ماہرینِ علوم سے اکتساب علم کیا پچیس ۲۵ چھبیس ۲۶ سال کی عمر میں آپ فارغ التحصیل ہو چکے تھے۔ آپ نے پورے انہماک سے علم حاصل کیا۔ جو شے ایک دفعہ پڑھتے حافظہ میں گھر کر لیتی تھی۔

حکیم احمد دین صاحب سکنہ برنالہ فرماتے ہیں۔ کہ علم کی دھن میں حضور کو تین تین چار چار دن بے کھائے پیئے گزر جاتے۔ حضرت صاحب فرماتے کہ موضع اخلاص کھبی والا میں ایک زبردست عالم تھے۔ میں نے ان سے ہدایہ کا ربع سوم پڑھا۔ اور اس سے نو کوس کے فاصلہ پر میروال تھا وہاں ایک افغانی عالم علم ہندسہ و ہیئت کے ماہر تھے۔ ان

سے میں نے علم ہیئت کی مشہور کتاب شرح چغمینی پڑھی۔ اور مولوی عبدالرحمان صاحب پنڈی سرہال ضلع کیمبل پور فرماتے ہیں کہ آپ نے فتح جنگ اور اخلاص میں بھی پڑھا اور میروال سے آپ علاقہ چھچھ[1] اور موضع عوذ عشی تشریف لے گئے۔ وہاں کچھ تحصیل علم کر کے افغانی عالم سے میرزاہد پڑھی۔ اور رسالہ قطبیہ کے اسباق میں دوسرے طلبہ کے ساتھ شرکت کی۔ پھر موضع پیرزئی میں مولانا دوآبی سے چند ماہ تحریر اقلیدس اور میرزاہد (امور عامہ) پڑھتے رہے۔ اور صدرا، و قاضی مبارک کے مشکل مقامات حل کئے۔ پھر حضرت نے اماں زئی میں واقع اشنغنر (ہشتنگر) میں مقیم مولانا صاحب (جو تمام علوم میں بحرمواج اور تمام فنون میں ایک دریائے ذخار تھے) سے بخاری شریف کا سبق شروع کیا۔ حکیم احمد دین صاحب سکنہ برنالہ فرماتے ہیں کہ موضع کدلہتی والے واجب الاحترام استاذ نے آپ کی علمی بصیرت، دقت نظر اور اصابتِ رائے کو دیکھ

---

[1] چھچھ علاقہ کا نام ہے یہ علاقہ حضرو کیمبل پور کے اضلاع میں ہے۔ حضرو سے سات آٹھ میل جانب مغرب اور اتنا ہی جانب مشرق اس کا طول ہے۔ اور حضرو سے شمال اور جنوب کی طرف چار چار یا پانچ پانچ میل اس کا عرض ہے۔ اس میں ۸۴ دیہات شامل ہیں۔ حضرو قریباً ان کے مرکز میں واقع ہے۔ عوذ عشی جو حضرو سے قریباً چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ میں مدت مدید سے دورہ حدیث کا چرچا چلا آتا ہے۔ مولانا نصیر الدین صاحب سے پہلے حضرت مولانا قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود دورہ پڑھایا کرتے خیال کیا جاتا ہے کہ شہاب الدین غوری کے عہد میں یہ درس (درس گاہ) قائم ہوا۔ افغانستان یاغستان اور پنجاب کے لوگ یہاں سے استفادہ کرتے رہے ہیں۔ اس جگہ کے فارغ التحصیل طالب علم منصب دستار کے قابل سمجھے جاتے تھے۔ پٹھانوں میں کاکڑ خاندان کا ایک ہی گھرانہ اس درس کا متولی چلا آرہا ہے۔ مولانا قطب الدین صاحب کا انتقال تو پہلے غالباً ۱۹۵۳ء میں۔ اور مولانا نصیر الدین کا انتقال ابھی ابھی ہوا ہے۔ (۱۹۴۹ء) میں

حضرت صاحب آوان شریف کے وقت ان سے پہلے کوئی اور صاحب استاد ہوں گے

قاضی کے معزز خطاب سے مخاطب کیا۔ ان کی تقلید میں دوسروں نے بھی آپ کو قاضی کہنا شروع کیا۔ لہذا آپ اسی لقب سے مشہور ہو گئے۔ چند سال بعد روحانی کمالات بھی حاصل ہو گئے۔ اور ان کی دعاؤں سے لوگوں کو دینی اور دنیاوی مرادیں ملنی لگیں۔ تو لوگوں نے "غریب نواز" کا لقب بھی بڑھا دیا۔

حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کو تحصیل علم کے عظیم مقصد کی تکمیل کے لئے اپنے فن میں صاحب کمال اساتذہ کی تلاش کرنی پڑی۔ اس سعی میں تیرہ چودہ سال کا عرصہ صرف ہوا۔ تین تین چار چار دن فاقوں میں گذر جاتے۔ پیدل چلنے سے پیروں میں چھالے پڑ جاتے تھے۔ فاقہ کشی سے بچنے کے لئے کبھی کوئی شے لکھ کر فروخت کرتے یا شب کے وقت حسب ضرورت گد یہ کر لیتے۔ اور اپنے ہمراہیوں سے مل کر کھاتے۔

تبحر علمی

حضرت غریب نواز علیہ الرحمۃ کا علم اس قدر وافر تھا۔ کہ آپ فضلائے روزگار میں ایک مسلّم فرد تھے۔ آپ نے فلسفہ، منطق، ریاضی اور ہیئت کی درسی کتابوں پر حکیمانہ حواشی تحریر فرمائے تھے۔ جن میں علم ہیئت میں شرح چغمینی کا حاشیہ حضور کے دستِ اقدس کا تحریر کردہ دیکھنے کا اتفاق آوان شریف کے کتب خانہ میں مؤلف کتاب ابو الفتح غلام محمود کو بھی ہوا ہے۔

حضور غریب نواز گو حنفی المذہب اور مقلد تھے۔ مگر آپ محققین کے درجہ پر فائز اور مؤلف ناچیز کے خیال میں آپ بیک وقت مجدد اور مجتہد بھی تھے۔ کیونکہ ہر غوثِ وقت مجتہد ہوتا ہے۔ اور حضور غریب نواز تو ظاہر و باطن میں یکتائے روزگار تھے۔ اور حسبِ تصریح علامہ بحر العلوم لکھنوی "ارکانِ اربعہ" میں اجتہاد کا دروازہ مائۃ رابعہ پر بند نہیں ہوا۔ بلکہ ہر زمانہ میں مجتہد ہوتے ہیں۔ اسی نظریہ کو مولانا عبد الحی لکھنوی نے "الفاظ الکبیر" میں قائم رکھا ہے۔ اور فقیر مؤلف کی نظر میں تو ہر غوثِ وقت یا قطبِ مجتہد ہوتے ہیں۔ بالخصوص مخصوص اغواث واقطاب۔

حضور غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ لاجواب اور بے نظیر تھا۔ جس میں مختلف علوم کی نادر کتب قلمی اور غیر مطبوعہ موجود تھیں۔ حکیم احمد دین صاحب سکنہ برنالہ

فرماتے تھے کہ حضور کو ہر فن کی ایک کتاب کا متن زبانی یاد تھا۔ اور آپ ان متنوں کو وقتاً فوقتاً زبانی دُہراتے رہتے تھے۔ کہ بھول نہ جائیں۔ مثلاً فقہ کی کتاب میں "کنز الدقائق" منطق کی "سلم العلوم" نحو کی "کافیہ" اور صرف کی "شافیہ" وغیرہ وغیرہ و دیگر کتب بھی تعلیم و تعلم کی مزاولت و مداومت سے قریباً ازبر ہوگئی تھیں۔ آپ کے پاس مختلف علوم کے منتہی لوگ آتے اور اپنے شکوک رفع کرتے تھے۔ اس میں مسلم وغیر مسلم کی کوئی تخصیص نہ تھی۔ دیوان انمت رام ریاست جموں وکشمیر نے شمس بازغہ یا صدرا کے مشکل مقامات آپ سے حل کرائے۔ حکیم غلام مصطفےٰ صاحب جو گولیکی ضلع گجرات والے (جو بہت بڑے طبیب اور عالم تھے۔ اور آپ نے حضور غریب نواز کا علاج بھی وقتاً فوقتاً کیا ہے۔) نے شرح چغمینی کا ایک نہایت ہی مشکل مقام حضرت صاحب سے حل کرایا

تبحرّ علمی کا اعتراف

علمائے عصر سب آپ کے تبحرِ علمی کے معترف تھے اور ان کی نظر میں آپ کا بڑا مرتبہ تھا۔ جو لوگ مشرب میں آپ سے اختلاف رکھتے تھے وہ بھی آپ کو ایک عالم باعمل اور رہنمائے خلائق سمجھتے تھے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی پیشوائے اہلِ حدیث نے آپ کی عدم موجودگی میں آوان شریف کے اندر صرف آپ کی قیام گاہ دیکھ کر بے ساختہ کہا کہ جس شخص کے بیٹھنے کی یہ جگہ ہے اس کا نفس یقیناً بے شر ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے آپ کو ایک بخود خط بھیجا تھا۔ جس میں اعتراف کیا تھا۔ کہ حق تعالیٰ کے فضل سے آپ نورِ ہدایت پر ہیں۔ اور خدائے تعالیٰ نے آپ کو اپنی مخلوق کے ایک اچھے حصّے کا مرجع و ماوٰی بنا دیا ہے۔ مولوی عبداللہ صاحب ساکن عمر چک تحصیل کھاریاں جو خود بھی متعدد علوم میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ ضلع گجرات میں قاضی بھی تھے۔ فرمایا کرتے تھے۔ کہ اگر حضرت قاضی صاحب قدس سرہٗ پوری توجہ سے علومِ باطنی کی طرف متوجہ نہ ہوجاتے تو ہمیں کوئی بھی نہ پوچھتا۔ اور سب لوگ انہی کی طرف رجوع کرتے یعنی ان کے مقابلے میں ہماری کوئی اہمیت نہ ہوتی۔

علمی خدمات

آپ نے فارغ التحصیل ہوتے ہی تعلیم و تدریس کا کام شروع

کر دیا۔ افسوس اس قسم کے تعلیمی ادارے اب ختم ہوتے جاتے ہیں۔ لیکن حضرت قدس سرہ کے عہد مبارک میں قائم تھے۔ اور جہاں کہیں کوئی صاحب علم اور صاحب ذوق آدمی ہوتا۔ اس کی ذات ہی اس ادارے کی ذمہ دار ہوتی۔ مستطیع ارباب دولت اور اہل علاقہ طالب علموں کی امداد کر دیتے تھے۔ اور یہ کام مختصر پیمانے پر چلتا رہتا۔ یوں تو ہر کام آپ پورے انہماک سے کرتے تھے۔ لیکن تعلیم و تدریس کے وقت ہمہ تن انہماک ہو جاتے تھے۔ اور نہایت بلند حوصلگی اور تحمل سے سبق کو طالب علم کے ذہن میں بٹھانے کی کوشش فرماتے تھے۔ اپنی تقریر کو معقولات کا رنگ دے کر مدلل کرتے اور نہایت سہل الفاظ اور سہل تر مثالوں سے کام لے کر سمجھاتے۔ اگر کوئی طالب علم نہ سمجھتا۔ تو کسی قسم کی خفگی کا اظہار کئے بغیر سبق کو دوبارہ پڑھا دیتے اور ایسا آسان بنا دیتے کہ وہ مطلب سمجھ جاتا۔ اور آپ کی تقریر اس کے ذہن میں بیٹھ جاتی آپ کا شعار تھا۔ کہ جو سبق کسی طالب علم کو پڑھانا ہوتا۔ اس کا پہلے خود مطالعہ فرما لیتے خواہ وہ کتاب ابتدائی ہوتی اور سبق کسی مبتدی کا ہوتا۔ طریقہ تعلیم انفرادی تھا۔ جب کبھی دو تین طلبہ ہمدرس ہوتے تو جماعتی طریقہ تعلیم سے کام لیتے تھے۔ بالعموم یہ دستور تھا کہ طالب علم کتاب کی عبارت پڑھتا آپ بشرط ضرورت اس کی اصلاح کرتے۔ پھر تفسیر و تشریح فرماتے تھے۔ بعد ازاں طلباء سے پوچھتے کہ اگر کوئی اشکال ہے تو پیش کرو۔ جب طالب علم اظہار اطمینان کرتا۔ تو آپ اسے سبق یاد کرنے کو کہتے۔ پھر دوسرے کی باری آجاتی۔ تعلیم بلا معاوضہ دیتے تھے۔ بلکہ کسی سے زبانی شکریہ کی توقع بھی نہ رکھتے تھے۔ طالب علموں پر بالخصوص غریب طالب علموں پر نہایت مہربانی فرماتے اور انہیں اپنے پاس سے کتب خرید دیتے تھے۔ جو طلبہ دور دراز فاصلے سے آتے ان کے کھانے اور رہائش کا اہتمام بھی فرماتے۔ آدان شریف میں یا اس کے نواحی دیہات میں جو لوگ مستطیع تھے۔ انہیں آپ نے کہہ رکھا تھا۔ کہ ہر روز صبح یا شام کے وقت طالب علموں کو کم سے کم ایک روٹی ضرور دیا کریں۔ طالب علم وقت پر روٹیاں اکٹھی کر لیتے تھے۔ اس طرح ان کی گزران ہوتی رہتی تھی۔ آپ کے طالب علموں کو

عام طور پر اہلِ علاقہ قاضی صاحب کے درویش کہا کرتے تھے۔ کبھی کبھی ان درویشوں میں کچھ درویش دورے میں بھی ہمراہ رہتے۔ اور فرصت کے اوقات میں اپنا سبق پڑھ لیتے تھے۔

باہر سے اگر کوئی ارادتمند کوئی تحفہ یا ہدیہ بھیجتا تو اس میں بھی درویشوں کو اپنا حصہ مل جاتا تھا۔ علی الخصوص کھانے کی چیزوں میں تو ضرور حصہ دار بن جاتے تھے یہ سب آپ کی کریم النفسی اور طلبہ سے محبت کی بنا پر ہوتا تھا۔ آپ لوگوں کو علم سیکھنے کی ترغیب دیتے رہتے خاص کر علم دین کی طرف رغبت دلاتے۔ اور اسے دارین میں اپنی فلاح کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ آپ درس نظامی کا مروج نصاب عربی اور فارسی دونوں پڑھاتے تھے۔ جن طلبا کا میلان تصوف کی طرف ہوتا انہیں تصوف کی کتب بھی پڑھا دیتے تھے۔ کسی فن کی تخصیص نہیں تھی۔ فقہ، حدیث۔ تفسیر۔ ادب ہیئت۔ منطق، فلسفہ ریاضی اور تصوف، الغرض ہر فن کی کتب پڑھاتے تھے۔ منتہی تو بالآخر آپ سے ہی استفادہ کرتے۔ مگر مبتدیوں کو دوسرے آدمی بھی سبق پڑھا دیا کرتے تھے۔ تعلیم وتدریس کا یہ دائرہ بلا امتیاز مذہب و ملت تھا۔ مسلم اور غیر مسلم بھی کبھی بالمشافہ کبھی بذریعہ خط و کتابت اپنے علمی شکوک آپ سے رفع کراتے تھے۔

بلند پایہ درس

حضور غریب النواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا درس ایک بلند پائے علمی و معیاری درس گاہ تھی۔ حضرت والد صاحب علامہ قاضی عبد السبحان صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے۔ کہ علم منطق کی کتاب ملا حسن سلّم العلوم کی شرح جو طالب علم حضور غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں پڑھ رہا تھا وُہ آپ کی درس گاہ میں ایک ادنیٰ طالب علم (جسے ہزارہ کی زبان میں جنٹرا کہتے ہیں) تصور ہوتا تھا" اور اب تو کچھ عرصہ سے بہت کم طالب علم ملا حسن پڑھتے ہیں۔ مؤلف کتاب ابوالفتح جب ۱۹۵۳ء میں مدرسہ رحمانیہ ہری پور میں مدرس تھا۔ تو دارالعلوم دیوبند سے نصابِ تعلیم منگوایا گیا۔ وہاں کے مہتمم دارالعلوم قاری محمد طیب صاحب نے لکھا کہ کسی زمانہ میں تو دارلعلوم کے اندر منطق قاضی مبارک و حمد اللہ تک پڑھائی جاتی

اور یہ کتابیں بھی داخل درس تھیں۔ لیکن اب صرف ملا حسن تک نصاب تعلیم ہے اور علم منطق ملا حسن تک پڑھ چکنے کے بعد دوسرے سال طالب علم دورۂ حدیث کرتا ہے۔

اب قارئین کرام اندازہ لگائیں کہ حضور غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی درس گاہ کس قدر بلند پایہ درس گاہ ہوگی۔ جس میں یہی ملا حسن پڑھنے والا جسے آج کل شاید ہی کوئی پڑھتا ہے۔ ایک ادنیٰ طالب علم متصور ہوتا تھا۔

طالب علموں پر شفقت

حکیم احمد دین صاحب گکنہ برنالہ فرماتے ہیں۔ کہ جب آپ کو درس و تدریس کی اجازت ملی تو پھر آپ نے طلباء کو آنے اور پڑھنے کی اجازت دی۔ بعض دفعہ سفر میں طلباء کو ہمراہ رکھتے اور راستہ چلتے سبق پڑھاتے جاتے تھے۔ پٹھان علماء کا اپنے علاقہ میں اب تک یہی عمل و دستور رہا ہے۔

حلیہ، عادات، اخلاق

حلیہ مبارک :۔ آپ کا قد نہایت موزوں تھا۔ چھب نہایت دل آویز اور سراپا متناسب تھا۔ سر پر ہمیشہ بال رکھتے تھے۔ اور بیچ میں سے مانگ نکالتے تھے۔ عمامہ باندھتے، سرمہ لگاتے، اور خوشبو کو بہت پسند کرتے تھے۔ جوانی میں رنگ گندم گوں تھا۔ مگر آخر عمر میں ریاضت سفر کی مشقت اور آفتاب کی غارت سے سانولا ہو گیا تھا حضرت صاحبزادہ محبوب عالم صاحب مدظلہ فرماتے ہیں۔ کہ آپ خاصے مضبوط۔ بازو بھرے بھرے۔ پنڈلیاں سخت اور مضبوط، سینہ چوڑا، اور جسم پر گوشت تھا۔ چلنے میں سبک رفتار اور تیز گام تھے۔ آنکھوں کے سامنے پنکھے سے آڑ کر لیا کرتے تھے ان میں اتنی جوت تھی کہ یکایک اگر کسی پر نظر پڑ جاتی تو معلوم ہوتا کہ بجلی کوند گئی ہے ان میں شرم و محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آخر عمر میں پانی اتر آیا تھا۔ اور بہت حد تک بینائی کو نقصان پہنچا تھا۔ مگر اپریشن تک کی نوبت نہیں آئی۔ کیونکہ ڈاکٹر کی رائے اپریشن کے خلاف تھی۔ بھائی کے انتقال کے بعد دست مبارک میں

رعشہ ہو گیا تھا۔

لباس آپ کبھی سفید تہہ بند باندھتے اور بدن پر ایک ململ کا کرتہ ہوتا تھا۔ گریباں چھوٹا مگر کھلا ہوتا تھا۔ کرتا پہنتے وقت آستین کو چڑھاتا ہوتا۔ تو لوگوں کو ہٹا دیتے۔ اور کلائیوں تک کو برہنہ نہیں ہونے دیتے تھے۔ کبھی کبھی آپ نے فرغل کی طرح کا کرتا پہنا ہے۔ عمامہ پہنتے تھے جس کا شملہ چھوٹا ہوتا تھا۔ کبھی کبھی آپ کندھوں پر چادر ڈال لیا کرتے تھے۔ جاڑوں میں ضرورت کے وقت کوئی گرم کپڑا بھی زیب تن فرما لیا کرتے تھے۔ اور دُلائی بھی اوڑھ لیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی سمور کی صدری بھی پہنی ہے۔ آخر عمر میں سر پر ٹوپی رکھ لیا کرتے تھے۔ اور جاڑوں میں کنٹوپ پہن لیتے تھے۔ کبھی کبھی آپ نے سر پر سبز عمامہ بھی رکھا ہے۔ یہ آپ کو بہت بھلا معلوم ہوتا تھا۔ ایک زمانہ میں آپ نے مطلاّ و مذہّب ٹوپی بھی پہنی ہے۔ بعض ارادت مند کبھی کبھی ٹوپیاں لاکر پیش کرتے تھے۔ آپ ان کی خاطر سے پہن لیتے تھے۔ پیروں میں موضع کے رواج کے مطابق کامدار جوتا کبھی پہنا ہے۔ باہر جب سفر میں نکلتے تو ایک دوپٹہ بھی ساتھ رہتا۔ جسے پگڑی کے اوپر لپیٹ لیا کرتے تھے۔ اور جب نماز کا ارادہ فرماتے تو اگر عمامہ نہ ہوتا تو اسی کو سر پر باندھ لیا کرتے تھے۔

- حکیم احمد دین صاحب فرماتے ہیں۔ کہ سفر میں سفید کپڑوں کے علاوہ دو سیاہ چادریں بھی ہمراہ رہتی تھیں۔ ایک رات کے وقت تہ بند کی طرح باندھ لیتے اور دوسری کو اوڑھ لیتے تھے۔ کشمیری فرد جو ایک طرح کی پشمینے کی چادر ہوتی ہے۔ آپ نے کبھی کبھی اوڑھی ہے۔ اور کشمیری جبہ بھی زیب تن فرمایا ہے۔ زری کے کام کے چغے بھی پہنے ہیں۔ جرابیں ہو آپ استعمال فرماتے۔ عموماً سیاہ رنگ کی ہوتیں۔ اور دستانے ایسے ہوتے جن میں دو انگلیاں لکھنے کے لیئے آدھی کھلی رہتیں۔ غرضیکہ پہننے اوڑھنے میں کسی خاص لباس کا اہتمام نہ تھا۔ ابتدائی زمانہ میں گھروں کے کاتے ہوئے سوت کی بنی ہوئی کھادی آپ زیادہ پسند کرتے تھے۔ اگر کوئی آدمی بڑا ہو یا چھوٹا آپ

سے ملنے آتا تو جو کپڑے بدن پر ہوتے انہی میں ملتے۔ مسواک۔ سرمہ دانی اور کنگھا سفر میں ہمیشہ ساتھ رہتا۔ شلوار آپ نے بہت کم پہنی ہے۔ اسی طرح پاجامہ ایک دفعہ ہی پہنا ہے۔ عید۔ بقر عید میں جسم اطہر پر وہی روزمرہ کا لباس ہوتا۔ اگر کوئی کپڑوں میں عطر لگا دیتا تو خوشنودی کا اظہار کرتے۔

آپ کی غذا

آپ کی غذا بہت تھوڑی اور بالکل سادہ تھی۔ ترکاریوں میں آپ کو مولی بہت پسند تھی۔ کبھی آپ نے باجرے کے خوشے بھنوا کر اور دانے نکلوا کر پھانک لئے ہیں۔ ساگ مطبوع خاطر تھا۔ گیہوں کے آٹے کا پھلکا جو کم و بیش چھٹانک بھر کا ہوتا خالی دال یا مکھن سے لگا کر کھا لیتے اور اکثر نوالہ منہ میں رکھ کر لسّی کے گھونٹ سے نیچے اتار لیا کرتے تھے۔ لسّی (چھاچھ) آپ کو بہت مرغوب تھی۔ گوشت بھی کھایا ہے۔ شروع زمانہ میں اس طرف بہت کم رغبت تھی۔ مگر آخیر زمانہ میں کسی خاص شئے کی طرف توجہ نہ رہی۔ معمولاً صرف دال کھاتے تھے جس میں مرچ نہ ہو۔ آم شاید آپ نے کبھی نہیں کھائے۔ کسی خاص وجہ سے نہیں۔ بلکہ عام پسند ماکولات و مشروبات کی طرف رغبت ہی نہ رہی تھی۔ دوروں میں دو تین تولے بھنے ہوئے چنے بھی کھائے ہیں۔ خلوت اور چلوں کے اوقات میں آپ ہاتھ سے سیپارے یا درود شریف لکھ کر فروخت کرتے۔ جو قیمت ملتی اس سے غلہ خرید کر دھلاتے اور سکھاتے۔ اور جو کوئی باوضو ہوتا۔ اس سے پسوا کر دو تین تولے کی ایک ٹکیہ پکوا کر آٹھ پہر میں ایک دفعہ تناول فرماتے۔ روزے اکثر لسّی سے افطار کرتے۔ خربوزہ آپ نے کھایا ہے۔ مگر اس طرح کہ اگر کوئی خربوزہ شیریں ہوتا تو دو ایک پھانکیں کھا لیتے۔ آپ فرماتے تھے کہ جب کھانے پینے کی اجازت ہوئی تو اس طرف رغبت ہی باقی نہیں رہی۔ وقت پر جو کچھ حاضر کیا جاتا اس میں سے بقدر کفایت کچھ تناول فرما لیتے تھے۔

آپ عوام میں بیٹھ کر کھانا کھانا پسند نہیں فرماتے تھے۔ مگر لوگ پیچھا نہیں چھوڑتے تھے۔ چوہدری الہ دین صاحب کہتے تھے۔ کہ میں اس کا خیال رکھتا تھا۔ کہ کھانا کھاتے

وقت کوئی آپ کے پاس نہ آئے۔ آپ یہ پسند نہیں کرتے تھے۔ کہ طرح طرح کا
اور اتنا کھانا آپ کے سامنے آئے جو ضرورت سے زیادہ ہو۔ اس لئے اتنا ہی کھانا آپ
کے سامنے لایا جاتا تھا جتنا آپ معمولاً تناول فرماتے تھے۔

آپ کے کھانے پینے کی ضروریات اور لباس وغیرہ کے لیے آپ کی موروثی
جائیداد کافی تھی۔ جس کا انتظام آپ کے بھائی کے ہاتھ میں تھا۔ آپ اس کا ذکر تک
اپنی مجلس میں پسند نہیں کرتے تھے۔

آپ کی سادگی طبع

آپ کی طبیعت میں بہت سادگی تھی۔ اور مزاج میں بالکل تصنع نہ تھا چوہدری
اللہ دین صاحب جو آپ کے پرانے ارادتمند تھے۔ فرماتے تھے کہ آپ میرے گاؤں کئی
بار تشریف لے گئے۔ مگر ہمیشہ پیدل اور کمال سادگی سے آئے۔ ایک دفعہ مجھ سے
فرمانے لگے کہ اتنی مرتبہ میں تمہارے پاس آیا ہوں تم بھی کبھی میرے پاس آؤ۔ میں
نے عرض کیا بہت اچھا! حاضر ہوں گا۔ ایک عرصہ بعد مجھے آدان شریف حاضر ہونے
کا موقعہ ملا۔ آپ نے بے حد التفات فرمائی۔ میں گھوڑے پر سوار ہو کر آیا تھا جسے
سنگیوں نے پسند نہیں فرمایا تھا۔ لیکن آپ نے کچھ نہیں فرمایا تھا۔ میں اسی دن گھر
واپس جانا چاہتا تھا۔ مگر آپ نے روکا اور میرے گھوڑے کے لئے دانہ چارہ کا حکم
فرمایا۔ میں نے ارادہ کیا۔ کہ اب جب حاضر ہوا کروں گا تو پیدل ہی آیا کروں گا
چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ حتیٰ کہ میں خود آپ کے خادموں میں شامل ہو گیا اور کچھ
خدمت مجھے بھی سپرد ہوئی۔ آپ کا اندازِ گفتگو بہت سادہ تھا۔ سامع کی قابلیت و
صلاحیت کے مطابق گفتگو فرماتے اور باوجود عالم متبحر ہونے کے ثقیل اور غیر
مانوس الفاظ ہرگز استعمال نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ اگر کوئی اور آدمی آپ کی موجودگی
میں عربی یا فارسی کے مشکل الفاظ استعمال کرتا تو آپ فرماتے۔ کہ تم عرب میں بیٹھے
ہو یا ایران میں کہ عربی اور فارسی کے مشکل الفاظ استعمال کر رہے ہو یا پنجاب میں بیٹھے ہو۔

تصنّع آپ کو پسند نہ تھا

تصنّع آپ کو پسند نہ تھا۔ ایک دفعہ آپ کے پاس چند رشتہ دار آئے۔ جو فخریہ یہ کہنے لگے کہ ہم ایسا کھاتے اور ایسا پہنتے ہیں۔ یعنی اپنی شان دکھلانے لگے آپ نے فرمایا کہ میرے پاس تو یہی نمک مرچ ہے۔ جو بلا تکلف میسر آجاتا ہے اگر تمہیں امیرانہ کھانوں کا شوق ہے۔ تو آپ امیروں کے پاس جائیں۔ نواح آدان شریف کے ایک بڑے زمیندار اظہار دولت مندی میں سونے کے زیورات پہنا کرتے۔ حضرت علیہ الرحمتہ کو جب معلوم ہوا تو اظہار ناپسندیدگی فرمایا۔ اور حاضری خدمت کی اجازت نہ ملی۔ نہ اسے حاضر ہونے کی جرأت ہی ہوئی۔

آپ رسم و عادات کے پابند نہ تھے

حضرت صاحب قدس سرہٗ العزیز کی نظر ظاہری رسم و عادات پر کبھی نہ تھی آپ ہر شے کے باطن کو دیکھتے تھے۔ نواب معشوق یار جنگ کمشنر حیدر آباد (دکن) سے ایک بار ارشاد ہوا تھا کہ ظاہر کو مت دیکھو۔ باطن کو دیکھو اس پر اعتماد کرو آپ سے مریدوں اور غیر مریدوں سب کو فیض پہنچتا تھا۔ جس میں صلاحیت اور طلب حق دیکھتے۔ کچھ اس سے دریغ نہ کرتے۔ بے طلب بھی عطا فرماتے تھے۔

آپ کی وسعت نظر کا یہ حال تھا۔ کہ کبھی کسی کلمہ گو اور صاحب قبلہ کو کافر نہیں کہا۔ بحث مباحثہ اور مناظروں سے کوسوں دور رہتے تھے۔ شروع شروع میں احکام کے اجراء میں بہت تشدد تھا حضرت امام شافعیؒ[1] صاحبؒ کا بھی حال ابتدا

[1] حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ کا نام محمد، کنیت ابو عبداللہ۔ پیدائش ۱۵۰ھ میں ہوئی۔ بہت بلند پایۂ مجتہد تھے۔ آپ کی وفات ۲۰۴ھ میں ہوئی۔ آپ صرف علوم ظاہری (اصول و فروع منقول و معقول) کے عالم نہ تھے۔ بلکہ علوم باطنی (تصوف و احسان) میں درجہ کمال تک پہنچے ہوئے تھے۔ مسلمانان عالم کا ایک کثیر حصہ فقہی مسائل میں آپ کا مقلد ہے۔ دیکھو کشف المحجوب علیہ الرحمۃ اسٹیم پریس لاہور صفحہ ۱۲۹ حال امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

میں یہی تھا۔ کہ اہلِ تصوف سے پہلے دل میں سختی رکھتے تھے۔ لیکن جب آپ حضرت شیبانؒ راعی سے ملے تو ان کی صحبت کی برکت سے یہ سختی دور ہو گئی۔ اور حقیقت امر کی طلب پیدا ہوئی۔ اسی طرح قاضی صاحب قدس سرہٗ العزیز کا سن مبارک جیسا جیسا بڑھتا گیا یہ سختی بھی رفتہ رفتہ کم ہوتی گئی۔ اور اس کی جگہ نرمی اور روا داری پیدا ہو گئی۔ جو بالآخر خلق اللہ پر شفقت کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

لوگوں کا زیادہ آنا پسند نہ تھا

آپ تخلیہ کے وقت کسی کا آنا پسند نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ چراغ گل کر کے لیٹے ہی تھے کہ ایک آدمی دبے پاؤں آپ کی خواب خواہ میں گھس کر بیٹھ گیا چند لمحے بعد آپ نے اس کا نام لے کر پکارا، اور کہا کہ باہر چلے جاؤ۔ کیونکہ تمہاری موجودگی میں طبیعت میں بے آرامی اور بے چینی ہوئی ہے۔ اس آدمی نے عرض کی کہ میں آپ کے آرام میں مخل تو نہیں ہو رہا۔ آپ نے فرمایا کہ باہر چلے بھی جاؤ مجھے کیوں بیزار کرتے ہو۔ آخر اسے باہر نکلنا ہی پڑا۔

راستہ چلتے وقت آپ نہیں چاہتے تھے۔ کہ لوگ آپ کو گھیریں اور کھڑے ہو کر باتیں کریں۔ یا راہ چلتے باتیں کرتے جائیں۔

دنیاداری سے بے تعلقی

ایک دفعہ ایک شادی بیاہ کے جھگڑے میں ارادت مندوں نے آپ کو بیچ میں ڈالنا چاہا۔ تو آپ نے فرمایا۔ تم یہاں خدا کا کلام سیکھنے آئے ہو یا لوگوں کے شادی بیاہ کے جھگڑے چکانے۔ مجھے تم میں سے کسی کی احتیاج نہیں۔ میں باجرے کی روٹی اور گھاس کھاتا رہا ہوں اور چٹائی پر سویا ہوں۔ مجھے کسی کی

لے دیکھو کشف المحجوب، مطبوعہ عبدالحلیم پریس، لاہور صفحہ ۹۲ حال امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ۔

ضرورت نہیں۔ ایسی غیر متعلقہ باتیں کرنی ہوں تو میرے پاس سے چلے جاؤ۔

آپ کی تمام عمر دنیا سے بے تعلق رہی۔ ایک بار کچھ لوگ آپ کے پاس زمینداری کی باتیں کرنے آئے تھے۔ آپ نے جھڑک دیا اور فرمایا کہ مجھے ان باتوں سے کیا تعلق۔ نہ آپ نے کبھی کوئی دنیاوی شے طلب کی اور نہ کبھی آپ کے باطن میں خواہشِ دنیا کا ارادہ یا خیال آیا۔ بلکہ جس قدر دنیا پاس تھی اسے بھی ترک کر دیا۔

شہرت سے نفرت تھی اور بڑے لوگوں سے ملنا ناپسند تھا

شہرت مزدسے آپ کو حد درجہ کی نفرت تھی اور آپ کو بڑے لوگوں سے ملنا جُلنا اور امیروں نوجوانوں کے پاس آنا جانا طبعاً ناپسند تھا۔ لیکن اگر ان سے کوئی صاحبِ خلوص ہوتا اور للّٰہ ملنا چاہتا تو مل لیتے تھے۔ جناب حکیم احمد دین صاحب فرماتے ہیں کہ مہاراج رنبیر سنگھ والئی ریاست جموں وکشمیر کو آپ سے ملنے کا بہت شوق تھا۔ اس نے کئی بار ملنا چاہا اور نیاز نامے بھیجے۔ مگر آپ نے کہلا بھیجا کہ تمہارے آنے سے تکلیف ہوگی۔ ایک صاحب کو جنہوں نے شاید راجہ امر سنگھ برادر مہاراج راجہ کشمیر کو آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے آمادہ کیا تھا اور آپ کو اطلاع دی تھی آپ لکھتے ہیں۔ کہ مرا از آمدنِ راجہ صاحب چہ فخر و چہ فائدہ من دنیاداراں راسگ و روسیاہ می دانم۔ آئندہ ایں چنیں حرکت بہ عمل نیاید۔ یعنی مکتوب الیہ کو ڈانٹ کر یہ فرمایا کہ مجھے راجہ صاحب کے آنے میں کوئی فخر اور فائدہ کی بات معلوم نہیں ہوتی۔ بلکہ دنیاداروں کو (دنیا کا) کتا اور روسیاہ تصور کرتا ہوں۔ آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ کرنا۔

پنڈت اننت رام دیوان ریاست جموں وکشمیر زیادہ عقلمند تھا وہ آپکے ذوقِ علم کو جانتا تھا۔ اس نے حضور سے ایک دفعہ ذکر کیا کہ حضرت شمس بازغہ (یا صدرا) کے بعض مقامات سمجھ میں نہیں آتے حضور سمجھا دیں۔ پہلے تو آپ نے عذر کیا کہ میں سب بھول بھال گیا ہوں اب کچھ یاد نہیں۔ لیکن جب اس نے اصرار کیا تو جن مقامات پر اسے شکوک تھے آپ نے

طرح رفع کردیے۔ اور اس کی تسلی اور دلجوئی فرمائی۔ وہ اکثر آپ کو عریضے لکھا کرتا تھا۔ خاتمہ پر لکھتا "تراب الاقدام اننت رام"۔ عموماً آپ کسی سے نذرانہ نہیں لیا کرتے تھے۔ لیکن اگر کوئی ہدیہ بھیجتا تو اس کی خاطر رکھنے کو قبول فرما لیتے۔ اور بعد میں ہدیہ کے بدلے خود اُسے بھی ہدیہ دیتے۔ زکوٰۃ کا مال لینے سے انکار رہا۔ نذر و نذرانہ سے بھی اکثر اوقات پرہیز ہی کی۔ اگر کسی کا نذرانہ قبول فرمایا بھی تو فوراً اُسے مستحقین میں تقسیم کر دیا۔ حکیم احمد دین صاحب (جو حضور کے خاص معتقدوں (سنگیوں) میں سے تھے) اسکنہ برنالہ فرماتے ہیں۔ کہ آپ ایک دفعہ حاجیوالہ (جو براستہ کڑیا نوالہ آوان شریف کے قریب ہی ہے) میں ایک مکان کی چھت پر بیٹھے چارپائیوں کی آڑ کر کے خلوت سی بنائے طالب علموں کو سبق پڑھا رہے تھے۔ کہ ایک آدمی نے بڑے فخر سے سیبوں کی بھری ہوئی ٹوکری آپ کے پاس رکھ دی اور کہا کہ یہ جموں کے افسر اعلیٰ نے بھیجے ہیں۔ حالتِ تدریس میں آپ کو یہ دخل در معقولات سخت ناگوار معلوم ہوا۔ آپ نے پائے استحقار سے ٹوکری کو ٹھکرایا۔ اور سیب لڑھکتے ہوئے دُور تک چلے گئے ساتھ ہی یہ فرمایا کہ مجھے ان چیزوں کی حاجت نہیں۔ حاضرین میں سے چند ایک نے منت سماجت کر کے آپ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ ہدیہ تو منظور کر لیا جائے۔ مگر طلباء اور غرباء میں تقسیم کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ بخشش و عطا آپ کی صفت تھی۔ اس میں خویش و بیگانہ کا لحاظ نہ تھا۔ کبھی مال جمع نہیں کیا۔ اگر اتفاق سے آپ کے چھوٹے بھائی کے پاس جو گھر کے منتظم تھے کچھ جمع ہو گیا تو اُسے طلب فرما کر مستحقین میں تقسیم کر دیا۔

آپ نے بیماری میں علاج کرایا ہے

خدائے عزوجل سے آپ اس قدر شرماتے تھے۔ کہ شروع حال میں بیماریوں کا علاج ہی نہیں کراتے تھے۔ مگر جس قدر عمر بڑھتی گئی۔ شریعت کا اقتضا زیادہ ہوتا گیا۔ اس عمر میں جب ضرورت ہوتی تو آپ کے متعلقین طبیب کو لاتے۔ تو آپ انکار نہیں کرتے تھے۔ اور جو دوا وہ بتاتے اس کو استعمال فرماتے تھے۔ ایک بار دہلی کے مشہور طبیب

حکیم محمد اجمل خان مرحوم بھی آپ کے علاج کے لئے دہلی سے گجرات تشریف لائے تھے

پیدل سفر

آپ نے اکثر پیدل سفر طے کئے ہیں۔ اور کسی خاص مجبوری کی بنا پر بذریعہ ریل بھی سفر فرمایا ہے۔ وہ اکثر تیسرے درجے میں ہاں جب کمزوری بہت زیادہ ہو گئی تو خدمت گار جہاں بٹھا دیتے تھے۔ ریل میں بیٹھ جاتے تھے۔ پیدل سفر میں بالعموم ایک آدمی آپ کے آگے آگے چلتا تھا۔ کیونکہ آپ ہمیشہ مشغول بحق اور مستغرق رہتے تھے۔ اور اندیشہ ہوتا تھا کہ کہیں راستہ نہ چھوٹ جائے یا گڑھے میں پیر نہ پڑ جائے۔ ہاتھ میں ایک پنکھا رہتا تھا۔ جس سے چہرہ مبارک پر آڑ کئے رہتے تھے۔ اور نگاہ ہمیشہ جھکی رہتی تھی۔ آپ کی رفتار سبک اور تیز تھی۔ اور ہمراہیوں کو جھپٹ کر چلنا پڑتا تھا۔ کہ کہیں پیچھے نہ رہ جائیں۔ جب چلنے کی قوت نہ رہی تو کھٹولے پر سفر کرتے۔ اس کھٹولے یا پالکی کے اٹھانے والے چار شخص تھے چوہدری غلام احمد۔ چوہدری نور احمد۔ چوہدری کرم الٰہی۔ چوہدری فضل دین۔ یہ سب اپنے گھر کے اچھے کھاتے پیتے زمیندار تھے۔ اور چوہدری کے معزز لقب سے پکارے جاتے تھے۔ مگر اس خدمت کو اپنے لئے سعادت سمجھتے تھے۔ چوہدری الہ دین نے ایک تھیلا بنا لیا تھا۔ جس میں پانچ خانے آگے اور پانچ خانے پیچھے تھے۔ ان میں سے کسی میں دوا کی بوتلیں اور کسی میں کنگھی۔ اور سرمہ دانی اور کسی میں درویشوں کے لئے سفر کا توشہ رہتا تھا۔

قلب مبارک

قلب مبارک میں جہاں عشق تھا۔ وہاں احکام شریعت کی پابندی بھی تھی۔ آتش عشق کی سوزش اتنی تھی۔ کہ زمانہ کہولت میں بھی آپ روزانہ ٹھنڈے پانی سے نہاتے۔ شروع زمانہ میں آپ سر پر پانی بہت ڈلوایا کرتے تھے۔

مؤلف حالات ابوالفتح غلام محمود کے والد بزرگوار حضرت علامہ قاضی محمد عبدالسبحان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے۔ کہ حضور غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ سخت سردی کے موسم میں بھی ایک تاری ململ یعنی بہت پتلی ململ کا کرتہ پہنتے تھے اور اس کی وجہ عشق الٰہی کی گرمی تھی۔ جو آپ

کے جسم شریف کے اندر کار فرما تھی ۔ حاجی غلام حیدر ساول صاحب کہتے ہیں کہ جنوری کی سردیوں میں انہوں نے دیکھا ہے کہ آپ آسمان کے نیچے پلنگ پر لیٹے ہوئے پنکھا جھلوا رہے ہیں ۔ قلب کی گرمی سے بیقرار ہو کر آپ سینہ مبارک پر مکھن ملواتے اور تسکین پیدا کرتے تھے۔

کسی کا دل دکھانا ناگوار تھا

آپ کسی کی دل آزاری کو نہایت ناپسند فرماتے تھے۔ اور شکستہ دلوں کو جوڑنا اہم سمجھتے تھے۔ آپ کو اس بات کا خاص خیال تھا کہ جہاں تک ہو سکے کسی کا دل نہ دکھے۔

غریبوں سے ہمدردی

آپ کسی پر ظلم ہوتا نہیں دیکھ سکتے تھے ۔ اور خلق اللہ سے بے حد ہمدردی فرماتے تھے اور ان کی عافیت اور رنج و راحت کا بہت خیال رکھتے تھے ۔

بعض صورتوں میں آپ سفارش بھی فرمایا کرتے تھے ۔ دیوان امرناتھ کشمیر کے وزرائے اعظم کے خاندان سے تھے۔ ان کے پاس حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک صاحب یار محمد خان کی سفارش فرماتے ہیں کہ اس شخص کے حال پر جہاں تک ممکن ہو مرحمت فرمائیں ۔

آپ کی محبت بلا تفریق مذہب وملت

ہندو، مسلمان ۔ عیسائی ۔ سب سے آپ محبت سے ملتے ۔ اور سب پر شفقت فرماتے چنانچہ لالہ سری چند لالہ مول راج وغیرہ سے آپ کا ایسا ہی برتاؤ تھا۔

مولوی محمد یعقوب صاحب ساکن ممانیہ ہری پور ضلع ہزارہ نے آپ سے ایک بار نازونیاز کے انداز میں عرض کیا۔ کہ آپ ہمارا خیال نہیں رکھتے۔ آپ نے فرمایا "یعقوب" تم تو تم۔ مجھے تمہارے گھر کی مرغی تک کا خیال ہے۔ کہ کہیں اسے گیدڑ نہ لے جائے

ارادتمندوں سے محبت

حضرت ملا صاحب تیراہی آفریدی (رحمۃ اللہ علیہ) کو آپ ایک خط میں لکھتے ہیں۔ "کہ عین انتظار میں آپ کا خط ملا۔ اس ابرِ رحمت (ملا صاحب) کی کوئی خبر نہ معلوم ہوئی تھی۔ حتیٰ کہ دو مہینے گذر گئے۔ ایک صاحب سے سُنا کہ آپ موضع پانڈک آ رہے ہیں۔ یہ سُن کر بہت مسرت ہوئی۔" خان غلام حیدر خان کھلابٹی[1] کو لکھتے ہیں کہ خدائے عزّ و جلّ تمام ان ہونی باتوں سے اپنے امان میں رکھتے۔"

مزاح

حضور غریب نواز طبعاً متین تھے۔ مزاح کی طرف طبیعت مائل تھی۔ لیکن نہایت مہذبانہ خوش مذاقی کو پسند فرماتے اور کوئی بے تکلف آشنا مزاح کی بات کرتا تو آپ تبسم فرماتے تھے۔ حکیم احمد دین صاحب مرحوم ساکن برنالہ نے بتایا کہ آپ مجھے سبق پڑھا رہے تھے۔ میں ابھی مبتدی تھا۔ اور نحو کی ابتدائی کتابیں پڑھتا تھا۔ سردی کا موسم تھا۔ سردی کو کم کرنے کے لئے آپ آگ تاپ رہے تھے۔ میں بھی پاس بیٹھا تھا کہ آپ فرمانے لگے اَلنَّارُ فِی الشِّتَآءِ خَیْرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔ میں آپ کی زبان مبارک سے یہ جملہ سن کر مذبذب ہو گیا آپنے میری پریشانی اور اندرونی کیفیت سے آگاہ ہو کر فرمایا۔ کہ یہاں مِنْ قسمیہ ہے یعنی خدا اور اس کے رسول کی قسم ہے۔ کہ موسم سرما میں آگ ایک خیر اور رحیمی شی ہے

مشائخ کا پاسِ ادب

اہلِ خانقاہ، درویشوں اور خاندان مشائخ کا آپ بہت پاسِ ادب کرتے تھے۔ اور جہاں تک ہو سکتا تھا ان کی مدارات فرماتے۔ اور تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتے۔ آپ

---

[1] حضرت کے پرانے عقیدت مند سنگی تھے (یاد رہے کہ حضور غریب نواز کے عقیدتمندوں اور مریدوں کو سنگی کہا جاتا تھا) بہت وجیہہ، بامروّت اور طبعاً فیاض تھے۔ مؤلف حالات ابوالفتح کے آبائی گاؤں موضع کھلابٹ ضلع ہزارہ کے معزز خوانین میں سے تھے۔ ان کی قبر کھلابٹ کی حضرت قاضی صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) والی بڑی جامع مسجد کے درخت بوہڑ کے پاس مؤلف کے دادا جی کی قبر کے قریب ہے۔ حضور دادا جی کی قبر سے سمت قبلہ کی طرف عبداللہ خان مرحوم کی قبر ہے اور اس سے اگلی قبر خان بن غلام حیدر خان مرحوم کی ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

تورڈھیر شریف کے صاحبزادہ صاحب کو لکھتے ہیں کہ "آپ کا خط آیا گویا عید کا چاند نظر آیا۔ بندہ خود حاضر ہونا چاہتا تھا مگر کمزوری بہت ہے۔ اور ضعف جسم کی وجہ سے حاضری کی نعمت عظمیٰ سے محروم ہوں۔ مگر عزیزی محمد مسعودؒ ارادہ رکھتا ہے۔ اگر استدعا منظور ہو تو زہے سعادت۔

پیر کی محبت حضرت پیر و مرشد اخوندؒ صاحب سے آپ کو بہت محبت تھی۔ ایک دفعہ اخوندؒ صاحب کی وفات کے بعد سیدو شریف (ریاست سوات) تشریف لے گئے تو ایک بے خودی سی حالت طاری تھی۔ اور جب وہاں سے رخصت ہوئے تو مسجد و مزار مبارک بلکہ در و دیوار سے لپٹ لپٹ کر رو دیتے تھے آنکھیں دید محبوب کی عادی تھیں اور کان بالمشافہہ کلام سنا کرتے تھے۔ جب یہ نعمت ان سے لے لی گئی تو خیال محبوب کے آتے ہی آپ نے رونا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ہچکی بندھ گئی۔ اور گذشتہ زمانہ کی یاد میں یہ شعر بے تابانہ آپ کی زبان مبارک پر جاری ہو گیا۔ ؎

نیاید بہ نزدیک دانا پسند ٭ شبان خفتہ و گرگ در گوسفند (سعدیؒ)

سیدو شریف کی پہلی حاضری جب حضور غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ موضع کفور ڈھیری (پشاور) میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ تو مولانا کے بڑے بھائی حضرت اخوند صاحب کے اوصاف حمیدہ اور فضائل بہت بیان کرتے تھے۔ طلبہ کی جماعت میں سابق صوبہ سرحد کے موضع ننگر ہار کا ایک طالب علم تھا اس نے اصرار کیا کہ حضرت اخوند صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر ہم برکت کی دعا کرائیں۔ آپ تامل کرتے تھے۔ کیونکہ فاصلہ بہت دور تھا۔ اور کوئی مخلص ہمراہی نہ تھا۔ اسی تذبذب میں ۱۲۸۲ھ آیا۔ آپ نے تمام امور پر غور کر کے تصفیہ فرمایا کہ حضرت اخوند صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کرائیں اور اس کے علاوہ آپ کے ہاتھ سے دستار بندی کا شرف حاصل کریں۔ صفر کا مہینہ اسی ارادے میں گذرا اور مزید چھ مہینے تک آپ نے کوئی عملی اقدام نہیں فرمایا۔ حتیٰ کہ رمضان شریف کا مہینہ آیا اور سردیاں شروع ہو گئیں۔ آپ موضع اتمان زئی سے چوتھے روز چاشت کے وقت ریاست کے صدر مقام

سیدو شریف پہنچے۔ حضرت اخوند صاحب علیہ الرحمۃ نماز چاشت ادا کر کے صحن مسجد میں تشریف فرما تھے۔ خادموں میں سے ایک پشاوری مُلّا نے جو "فقیر درّہ والا کے نام سے مشہور تھے" آپ کی حاضری کی اطلاع کی۔ کہ ایک غریب طالب علم درسی کتابیں تمام کر کے دستاربندی اور دعائے خیر کے لئے حاضر ہوا ہے۔ اخوند صاحب نے "ڈیرہ خواہ" (بہت اچھا) فرمایا۔ ایک اور طالب علم جو علاقہ خوشاب سے آیا تھا مُصر ہوا کہ حضرت سے بیعت کر لو۔ اور برابر اصرار کرتا رہا۔ حتّٰی کہ آپ کی طبیعت بھی مائل ہونے لگی۔ اب رمضان شریف کا جمعۃ الوداع آیا۔ اور لوگ دور دور سے آکر مسجد میں جمع ہونا شروع ہوئے۔ بعد ادائے نماز جو جانے والے تھے چلے گئے۔ بقیہ ٹھہر گئے۔ حضرت صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ کہ میں حیرت زدہ حصولِ مطلب سے ناامید مسجد کے صحن میں بیٹھا ہوا تھا۔ کہ حضرت اخوندؒ صاحب کے خلفاء میں سے ایک بزرگ نے مسجد کی دہلیز پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا کہ ہندوستانی طالب جو دستاربندی اور دعا کے لئے آیا ہے کہاں ہے۔ یہاں آئے تاکہ میں اُسے حضرت اخوند صاحبؒ کی خدمت میں لے چلوں۔ میں وہاں حاضر تھا۔ فوراً ان کے پاس گیا حضرت اخوندؒ کا فرمان ہوا کہ مسجد کے صحن میں بیٹھنے کی ایک جگہ مقرر کریں۔" تمام خانقاہوں کے صاحبزادے اور علماء متبحر" جو حاضر تھے۔ صحن میں حلقہ بنا کر بیٹھ گئے اور آپ کو اخوندؒ صاحب کے حضور میں لے گئے۔ آپ نے لُنگی کے کپڑے کی دس گز لمبی ایک دستار منگوائی۔ اور خود دستِ مبارک سے پہلا پیچ باندھا۔ پھر خانقاہوں کے صاحبزادوں میں سے جیسے جیسے حکم ہوا اس نے ایک ایک پیچ باندھا۔ اور مجمع عام میں دعائے خیر کی گئی۔ جو لوگ جانے والے تھے چلے گئے۔ مگر آپ وہیں مقیم رہے۔ جب عید کا چاند نظر آیا اور شوال کی پہلی شب آئی اور حضرت اخوندؒ صاحب حجرۂ مبارک کے پاس تہجد کے لئے وضو کی جگہ تشریف فرما ہوئے تو آپ نے جرأت کر کے دعائے خیر، نفع علم۔ اور وطن جانے کی اجازت چاہی حضرت اخوندؒ صاحب نے پوچھا۔ وضوداری (وضو ہے) حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جلد وضو کر کے حاضر ہوئے۔ حضرت اخوندؒ صاحب نے ہاتھ پکڑ کر مرید کیا اور پہلا سبق

لا الٰہ الا اللہ) تعلیم فرمایا۔ یکم شوال ۱۲۸۲ھ کی یہ شب اور تہجد کی نماز کا وقت تھا۔ آپ نے وہیں صبح کو عید کی نماز پڑھی۔ اور پشاوریوں کی ایک جماعت کے ہمراہ رخصت ہوکر پشاور آگئے۔

(نوٹ) "مقاماتِ محمود" میں اسی طرح لکھا ہے۔ مگر مؤلف کے والد ماجد نے آدان شریف بموقعہ عرس شریف یوں بتایا تھا۔ کہ میں نے حضرت صاحب کی اپنی فارسی میں لکھی ہوئی قلمی کتاب "عروۃ الوثقیٰ" دیکھی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ جب اخوند صاحب دستار بندی کے موقعہ پر دستار کے پیچ باندھنے لگے۔ تو پہلے پیچ پر پہلے آسمان اور دوسرے پر دوسرے آسمان اور یونہی مکمل دستار بند ھنے تک ہر پیچ پہ ایک آسمان کے حالات کھلتے کھلتے آخری پیچ پر ساتویں آسمان کے حالات منکشف ہو گئے۔ اور پھر حضرت اخوند صاحب نے شملہ ٹھونس کر فرمایا۔ مولوی بس، انتہیٰ کلام "عروۃ الوثقیٰ"۔

سیدو شریف کی دوسری حاضری

سیدو شریف سے ابھی چھ مہینے گزرے تھے۔ کہ حضور نے دوسرا سفر اختیار کیا اور چار پانچ آدمی ساتھ ہوگئے۔ ربیع الثانی یا جمادی الاوّل ۱۲۸۳ھ کا مہینہ تھا۔ کہ آپ دوسری بار حضرت اخوند صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ لعض ہمراہیوں نے لطور تبرک حضرت اخوند صاحب سے سبق پڑھنے کی استدعا کی۔ موضع کھوکھر کے میاں نور احمد نے کافیہ اور بابا نور کے فرزند میاں نظام الدین نے تفسیر یعقوب چرخی شروع کی۔ حضرت اخوند صاحب نے چند سبق پڑھائے۔ مگر جناب قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ مجھ پر اتنی ہیبت طاری تھی کہ کچھ نہ پوچھ سکا۔ روانگی کا جب وقت آیا تو حضرت اخوند صاحب نے دعائے خیر کی اور بہت الفت اور نوازش ظاہر فرمائی۔ اور دوسرا سبق (الا اللہ) تلقین فرمایا۔ اور شجرۂ سلسلہ عطا فرمایا۔ پھر وہاں سے رخصت ہوکر وطن مبارک پہنچے۔

سیدو شریف کی تیسری حاضری

گھر واپس آکر غوثِ زماں حضرت اخوند صاحب کی محبت کا دلولہ آہستہ آہستہ ظاہر ہونے لگا۔ مئی کا مہینہ شروع ہو رہا تھا کہ آپ نے سیدو شریف جانے

کا ارادہ فرمایا۔ والد ماجد نے بہت سمجھایا کہ گرمی کا موسم ہے اس میں سفر کرنا تکلیف کا باعث ہو گا۔ مگر آپ فرماتے ہیں کہ میرا کام اختیار سے باہر تھا۔ غرضیکہ آپ نکل کھڑے ہوئے۔ راتوں کا سفر کرتے دن کو آرام فرماتے۔ تیسرے دن پیروں میں آبلے آگئے۔ آپ نے پنجوں کے بل چلنا شروع کیا۔ یہ بھی تھک گئے۔ تو قدموں کے پہلوؤں پر چلنا شروع کیا۔ یہ بھی تھک گئے تو ایڑیوں کے بل چلے۔ یہ سب صعوبتیں تھیں۔ مگر دل اندر سے قوی تھا۔ روح تازہ اور خوش۔ راہ میں سواں کی نہر عبور کرنی پڑی آبلے پھوٹ کر ایک ایک زخم بن گئے تھے۔ نہر پار کی مگر بخار آگیا پھر بھی آہستہ آہستہ موضع رتہ مولہ راولپنڈی تک پہنچے۔ یہاں سات روز تک بخار رہا پھر زخم پر جست کی ٹکیہ باندھی اور پھر سفر شروع کیا۔ پنجکٹھا پہنچ کر معلوم ہوا کہ سوات شریف کا راستہ بند ہے۔ بہر حال آپ نے پشاور پہنچ کر صوات جانے کے لئے ہشت نگر کا راستہ اختیار کیا۔ اور وہاں سے چند طلباء آپ کو بحفاظت سوات لے گئے۔

صاحب سوات علیہ الرحمۃ نے دیکھ کر فرمایا۔

در لیرے کئی مولوی را غلیدے یعنی دروازہ کھول دو مولوی آیا ہے۔ پھر فرمایا۔ لوئے مخلص دے۔ لرے نارازی یعنی بہت مخلص ہے دور سے آتا ہے۔

آٹھ دس روز قیام فرما کر آپ نے واپسی کی اجازت چاہی اور اخوند صاحب علیہ الرحمۃ نے تیسرا سبق جس میں اسم ذات کا مراقبہ ہے تعلیم فرمایا۔

پھر سیدو شریف کی چوتھی حاضری میں حضرت اخوند صاحب نے آپ کو اسباق قادریہ کا چوتھا سبق فقط اسم ذات اللہ تلقین فرمایا۔ سیدو شریف کی پانچویں حاضری پر اخوند صاحب نے پانچویں سبق "ھُوْ" کی تلقین فرمائی۔ چھٹی حاضری پر بقیہ تین سبق۔ اللہ ھُوْ۔ ھُوَاللہ، وَاَنْتَ الْھَادِی انت الحق لیس الھادی الا ھو، ایک ساتھ تلقین فرمائے۔ سیدو شریف کی ساتویں بار حاضری پر حضرت اخوند صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ مولوی تمہارے سبق تمام ہو گئے ہیں۔ اب چلہ کرو۔ پہلا چلہ چالیس دن کا ہو گا۔ اور دوسرے دو دس دس دن کے ہونگے۔

نیز آپ نے فرمایا کہ اس طریق میں صوفیہ کے چار قدم ہیں۔ پہلے میں مراقبہ کے وقت باریک باریک انوار نظر آتے ہیں۔ دوسرے میں مراقبہ کے وقت آفتاب و مہتاب نظر آتے ہیں۔ تیسرے میں مراقبہ کے وقت خود اپنے سبقوں کی آواز کانوں میں آتی ہے۔ اور چوتھے میں جمیع ماسوی اللہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ اور فرمایا کہ حضرت اخوند درویزہ پشاوری کی کتاب "ارشاد الطالبین" میں اس کی تفصیل اور شرائط خلوت و چلہ ملیں گے۔ حضور غریب نواز نے یہ تمام چلے پوری شرطوں کے ساتھ تمام کئے۔ اور جو جو آثار حضرت اخوند صاحب علیہ الرحمۃ نے بیان فرمائے تھے۔ سب نظر آئے۔ یہ تمام تعلیم پانچ سال یا اس سے کچھ زیادہ میں پوری ہوئی۔

پھر نویں حاضری پر سیدو شریف میں حضرت اخوند صاحب چارپائی پر آرام فرما تھے حضور غریب نواز کا ہاتھ پکڑ کر قریب کیا اور سینہ مبارک سے آپ کا سر قریب کر کے فرمایا۔ "مولوی از خانہ بچند روز می آئی" یعنی مولوی گھر سے کتنے دن میں پہنچتے ہو آپ نے جواب دیا۔ قربانت شوم گاہے بہ نہ روز گاہے بہ دہ روز (کبھی نو دن میں کبھی دس دن میں) یہ سن کر اخوند صاحب علیہ الرحمۃ نے فرمایا "بارے مقام تو دور است۔ لہذا از اں اگر دل تنگ شوی بہ زیارت شاہدولہ رحمۃ اللہ علیہ خوشحال شوی۔ برو، برو، برو،" یعنی تمہارا گھر بہت دور ہے۔ اگر کبھی دل تنگ ہوا کرے تو حضرت شاہدولہ کے مزار پر حاضری دیا کرو خوشحال رہو گے" اس حکم کی تعمیل میں آپ گجرات حضرت شاہدولہ علیہ الرحمۃ کے مزار پرانوار پر حاضر ہوئے۔ یہاں کچھ مدت حاضری دینے کے بعد حکم ہوا۔ کہ اپنے پیر و مرشد حضرت اخوند صاحب علیہ الرحمۃ کی خدمت میں جاؤ۔ یہ سوات شریف کا دسواں سفر تھا۔ چنانچہ رتہ (راولپنڈی) کے کچھ لوگوں کے ہمراہ آپ سیدو شریف پہنچے۔

حکمِ خلافت

قیام کے تیسرے روز زوال کے وقت حضرت اخوند علیہ الرحمۃ نے آپ کے ہمراہیوں کو تمام لوگوں کی موجودگی میں طلب کر کے طریقہ عالیہ قادریہ کا سبق دیا۔ اور اسی سفر میں حضرت قاضی صاحب

قدس سرہٗ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ مولوی راہِ حق بگو، یعنی لوگوں سے بیعت لو۔ اور انہیں خدا انکار استہ بتاؤ۔ آپ نے مولوی راہ حق بگو کے جواب میں عرض کیا۔ کہ من گنہگارم لائق برداشتن ایں بارنیم، (میں گناہ گار ہوں اور اس بوجھ کو اٹھانے کے لائق نہیں ہوں) حضرت اخوند صاحب علیہ الرحمتہ نے ہنس کر فرمایا کہ "کدام گناہ میکنی" (آپ کون سا گناہ کرتے ہیں) آپ یہ سن کر چپ ہو گئے۔

واپسی پر آپ بخار کی حالت میں رتہ (راولپنڈی) تک بمشکل پہنچے۔ وہاں تین دن قیام کیا۔ تیسرے روز ایک نیم مجذوب فقیر نے آکر کہا۔ "خبردار اس بیماری سے تنگ نہ ہونا اور نہ ڈرنا یہ بیماری کا تپ نہیں۔ بلکہ افغان پہلوان نے تیرے دل کے چراغ کی بتی کو اپنی دلداری میں آکر اندازہ سے زیادہ سلگا دیا ہے۔ نہ حکیم کر دوا کرو اور نہ کوئی فکر و اندیشہ کرو۔ شربت پیو اور چائے جو تمہارے پیر پیا کرتے تھے۔" آپ کی آخری حاضری سیدو شریف میں ۱۲۹۰ھ میں ہوئی تھی۔ ۱۲۹۱ھ میں آپ نے ایک اور کوشش سیدو شریف حاضری کے لئے فرمائی۔ بیماری کی حالت میں جب کہ پاؤں پر آبلے پڑے ہوئے تھے۔ بمشکل مندرہ تک پہنچے۔ رات خواب میں دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے۔ کہ مقصود کا ملنا اب ہر ایک جگہ یعنی حضرت شاہد ڈلہ صاحب کے آستانہ پر ممکن ہے۔ اور بادلِ ناخواستہ مجبوراً گجرات واپس ہوئے۔

حضرت اخوند صاحب کا انتقال

حضرت اخوند صاحب علیہ الرحمتہ نے سات محرم ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۲ جنوری ۱۸۷۷ء میں چوراسی سال کی عمر میں ہفتہ کے روز انتقال فرمایا۔

حضرت اخوند صاحب سوات کے حالات

حضرت صاحب سوات کا پیدائشی وطن سوات ہے۔ آپ کا اسم گرامی عبدالغفور تھا۔ عوام الناس میں آپ اخوند صاحب سوات۔ سیدو بابا صاحب کے ناموں

سے مشہور تھے۔ اور اب بھی ہیں۔ آپ کے والد کا نام عبدالواحد تھا۔ سوات کے علاقہ "شامیزی" کے ایک گاؤں موضع "جبڑی" میں آپ ۱۷۹۴ء میں پیدا ہوئے قومیت کے لحاظ سے آپ صافی مہمند ہیں۔ صافی کرلانی قبیلے کی ایک شاخ ہے جو افغان قبائل میں ایک معزز قبیلہ ہے۔

بچپن اور تعلیم

اخوند صاحب کی طبیعت ابتدا ہی سے پاکباز تھی۔ ایام طفولیت میں جس گائے کا دودھ پیتے تھے۔ اس گائے کو بھی آپ خود ہی رسی پکڑ کر چرایا کرتے تھے۔ محض اس خیال سے کہ اگر گائے کو چرنے کے لئے آزاد چھوڑا جائے تو دوسرے شخص کے کھیت کا فصل کھا جائے گی۔ اس لئے آپ خود ہی اسے اپنی نگرانی میں چرایا کرتے تھے۔

ضلع پشاور کے بعض مقامات مثلاً چمکنی، زیارت کا کا صاحب وغیرہ پر علماء سے آپ نے علمی استفادہ کیا۔ علم ظاہری کے تحصیل کے دوران اسی زیارت کا کا صاحب کی مسجد میں آپ نے چلہ کشی کر کے روحانی فیض بھی حاصل کیا تھا۔ علوم باطنی کے شوق میں آپ نے چلچلاتی دھوپ میں ننگے پاؤں سفر کر کے پشاور میں حضرت جی پشاوریؒ کے حضور میں حاضر ہو کر آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے۔ اور دوسرے مریدوں کی طرح ذکر میں مشغول رہنے لگے۔ ایک دن ذکر کرتے ہوئے آپ وجد میں آئے اور بلند آواز میں ذکر کرنے لگے سلسلہ نقشبندیہ میں چونکہ باآواز بلند ذکر کرنا منع ہے۔ اس لئے دوسرے مریدوں نے جا کر حضرت جی سے آپ کی شکایت کی کہ سواتی بلند آواز سے ذکر کرتا ہے۔ حضرت جی ناراض ہوئے اور آپ کو بلا کر کہا کہ آپ پشاور سے چلے جائیں۔ مرشد کی تعمیل میں آپ نے پشاور کو چھوڑ دیا۔ اور ہندوستان جا کر کسی مرشد کو تلاش کرنے کا ارادہ کر کے چلے جا رہے تھے۔ کہ راستہ میں ایک مولانا صاحب ملے اور مولانا صاحب نے آپ کے حالات

سے خبردار ہو کر آپ کو اپنے ساتھ روانہ کیا اور تورڈھیری میں مولانا محمد شعیب المعروف شیخ صاحب کے پاس لے گئے۔ شیخ صاحب ان دنوں سلسلہ قادریہ کے مشہور بزرگ تھے۔ چنانچہ تورڈھیری میں آپ نے شیخ صاحب سے بیعت کی۔ شیخ صاحب نے آپ پر خصوصی توجہ فرمائی۔ اور آپ بہت جلد اسرارِ باطنی سے واقف ہو گئے اور کافی عرصہ مرشد کی خدمت میں آپ تورڈھیری میں رہے۔ لیکن ۱۸۱۶ء میں جب حضرت شیخ صاحب نے انتقال فرمایا تو آپ نے تورڈھیری کو چھوڑ دیا۔ تورڈھیری کو چھوڑ کر آپ نے دریائے سندھ کے کنارے آباد ایک چھوٹے سے گاؤں "بیکی" میں سکونت اختیار کی موضع بیکی میں مسلسل بارہ سال تک آپ زہد و ریاضت و عبادت اور چلہ کشی میں مصروف رہے۔ بارہ سال کے اس طویل عرصہ میں آپ نے کبھی مرغن روٹی یا سالن وغیرہ نہیں کھائے۔ اس دوران میں آپ "شموخا" کی پکائی روٹی استعمال کرتے رہے۔ واضح ہو کہ شموخا پشتو میں ایک بوٹی کو کہتے ہیں جو کہ ایک قسم کی گھاس ہے۔ اس بوٹی کے بیج باجرے کے دانوں جیسے ہوتے ہیں لیکن باجرے کے دانوں سے قدرے باریک ہوتے ہیں۔ غالباً یہ وہی بوٹی ہے جس کو پنجاب میں ... "سوانک" اور ہزارہ کی بولی میں شوانک کہتے ہیں۔ ساون بھادوں کے مہینوں میں مکئی کی فصل کے اندر ہزارہ میں یہ بوٹی کثرت سے پائی جاتی ہے اس کے دانوں کو پیس کر سوات میں روٹی پکاتے تھے۔ لکھا ہے کہ یہ روٹی بدذائقہ جیسی ہوتی ہے۔ مسلسل بارہ سال تک یہ بدذائقہ روٹی استعمال کرنا صاحب سوات کا مضبوط قوت ارادی کا وہ عظیم الشان کارنامہ ہے۔ کہ ریاضت کی دنیا میں شاید ہی اس کی مثال مل سکے۔ ایک انگریز مصنف ڈاکٹر بلیو نے لکھا ہے۔

" ان دنوں صاحب سوات اخوند بیکی کے نام سے مشہور تھے۔ اور طریقہ قادریہ کا مشہور سبق **اَنت الهادی انت الحق لیس الهادی الا هو** کا ورد کیا کرتے تھے۔ اور یہی آپ کا عقیدہ تھا۔ بیکی میں رہتے ہوئے آپ کے تقدس

بزرگی کا شہرہ دور دور تک پہنچ گیا۔ ہزاروں عقیدت مند خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ اور لوگ قائل ہوتے گئے (انتہی) پھر بعض نامساعد حالات کی بنا پر ۱۸۲۸ء آپ نے بیکی کو چھوڑ کر موضع ملں میں سکونت اختیار کی یہی وہ زمانہ تھا کہ پٹھان خوانین اور سید احمد صاحب بریلوی کے مابین اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ غالباً انہی اختلافات سے بچنے کے لئے آپ نے بیکی کو بھی چھوڑ دیا۔ موضع ملں میں ایک مشہور عالم دین مولانا رسول شاہ صاحب سے آپ نے مزید علمی استفادہ کیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد موضع سلیم خان کے باشندوں کے مجبور کرنے پر سلیم خان تشریف لے گئے

اخوند واضح رہے کہ اخوند اگرچہ فارسی لفظ ہے۔ لیکن پشتو زبان میں اخوند کے معنی بالکل وہی ہیں جو کہ انگریزی میں ڈاکٹر یا عربی میں علامہ کے ہوتے ہیں۔ اخوند کا خطاب اس زمانے میں پٹھانوں کی طرف سے ہمیشہ اس مشہور عالم دین کو دیا جاتا تھا۔ جو کہ نہ صرف بہت بڑا عالم دین ہو بلکہ ایک مجتہد بھی ہو یہی وجہ تھی کہ آپ کے عقیدت مندوں نے آپ کو اخوند کا خطاب دیا۔
سوات کے ماحول میں اخوند درویزہ کے بعد پھر صاحب سوات کو ہی اخوند صاحب سوات کا خطاب ملا ہے۔

غوث زمانہ مؤلف کتاب کے والد ماجد حضرت قاضی محمد عبدالسبحان صاحب نے حضور قبلہ سائیں چپ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی بیان کرتے تھے کہ حضور سائیں صاحب حضرت والد ماجد صاحب سے مخاطب ہو کر فرماتے ۔ کہ "ملا لوگ کیا کہتے ہیں کہ تورڈھیر شریف والے حضرت شیخ محمد شعیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ولایت میں کیا مرتبہ تھا۔ تو والد صاحب نے عرض کیا کہ حضور لوگ کہتے ہیں کہ وہ وقت کے ابدال تھے۔ فرمایا" اور حضرت صاحب مبارک علیہ الرحمۃ صاحب سوات / عرض کیا حضور لوگ کہتے ہیں کہ غوث تھے۔ تو فرمایا "ملا ان خیبر کے پہاڑوں میں صاحب مبارک کو غوثیت کس نے سہلائی اور اس مقام تک کس نے پہنچایا جب کہ پیر صاحب صرف ابدال ہی تھے۔" حضور سائیں چپ صاحب کا مطلب

اس سے توحید کی طرف توجہ دلاتا تھا۔ یعنی وہ اللہ واحد ہی ہے۔ جو اپنے بندوں پر راز سربستہ کا انکشاف فرماتا اور اپنے بندوں کو بلند مقامات پر فائز فرماتا ہے،، ہاں تو صاحبِ سوات اپنے زمانہ کے غوث تھے۔

مؤلف ناچیز | باعہدہ اولیاء اللہ میں سب سے نیچے مرتبہ اوتاد کا ہوتا ہے اور اوتاد وتد سے ہے۔ اور وتد میخ کو کہتے ہیں۔ اور یہ اولیاء اللہ زمین کی گویا میخ ہوتے ہیں۔ حضرت والد صاحب نے بتایا تھا کہ اوتاد اولیاء اللہ کا تصرف پہلے آسمان تک ہوتا ہے۔ اور اس سے اوپر مرتبہ اور عہدہ ابدال کا ہے پھر قطب اور پھر غوث کا۔

صاحب سوات سکھوں کے برخلاف جہاد میں

۱۸۳۵ء میں امیر دوست محمد والئے کابل کی دعوت پر حضرت صاحب سوات نے بھی جانباز مجاہدین کے ایک دستے کے ساتھ سکھوں کے خلاف محاذ جنگ پر پہنچ کر جہاد میں حصہ لیا۔

چوبیس سال کے بعد وطن کو واپسی

ستمبر ۱۸۳۵ء میں صاحب سوات باجوڑ کے راستے سوات پہنچ گئے۔ چوبیس سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ علاقہ شامیزی کے ایک گاؤں سے عبدالغفور نامی ایک ہونہار طالب علم تحصیلِ علم کے لئے سوات سے باہر مسافر بن گیا تھا۔ اب چوبیس سال کے بعد وہی طالب علم۔ علم اور عرفان کے ایک سمندر کو سینے میں سمائے ہوئے ایک عظیم عالم برگزیدہ انسان اور بہادر مجاہد کی حیثیت سے سوات کی خوبصورت وادی میں واپس پہنچ گیا۔ ے یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔

وادئ سوات میں پہنچ کر کچھ عرصہ بلوچ کی مسجد میں قیام کیا۔ اور پھر ہوڈی گرام کے قریب دامنِ کوہ میں غازی بابا کی زیارت میں مقیم ہو گئے یہاں کچھ عرصہ زہد و عبادت

گذارنے کے بعد مرغزار پہنچ گئے۔ مرغزار کی چوٹی میں ایک غار کو صاف کر کے اس میں مقیم رہے بعد ذکر الٰہی میں مشغول رہے۔ پھر موضع سپل بانڈی کے میاں گان صاحبان کے ایک وفد نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سپل بانڈی میں قیام کی دعوت پیش کی تو آپ ان کی دعوت پر مرغزار سے سپل بانڈی تشریف لے گئے اور پھر وہیں آپ نے اسی گاؤں کی ایک پاکباز عفیفہ خاتون سے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں شادی کر لی۔ اس خاتون کا تعلق بھی سادات خاندان سے تھا۔ جیسے کہ کتاب "تاریخ ریاست سوات" میں لکھا ہے۔ چنانچہ اسی محترم خاتون سے ہی آپ کے دو فرزند عبدالحنان اور عبدالخالق پیدا ہوئے۔

حضور صاحب سوات (رحمۃ اللہ علیہ) بحیثیت مجاہد

حضرت والد صاحب علامہ قاضی محمد عبدالسبحان صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے۔ کہ انگریز جب ہندوستان میں قدم رکھنے لگا۔ اور اس کی فوجوں نے ادھر کا رخ کیا۔ تو وہ صاحب سوات علیہ الرحمۃ کی غوثیت کا زمانہ تھا۔ صاحب سوات ہندوستان کی سرحد سے باہر روحانی طور پر انگریزوں کی آمد کے مقام پر تشریف لے گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت مولانا جامی علیہ الرحمۃ انگریزوں کے آگے آگے ان کی قیادت کرتے ہوئے تشریف لا رہے ہیں۔ (یعنی روحانی طور پر) صاحب سوات علیہ الرحمۃ نے مولانا جامی سے کہا کہ "اس مکار قوم کو آپ کیوں ہندوستان میں لا رہے ہیں"۔ مولانا جامی نے جواب دیا کہ میں نہیں لا رہا بلکہ لانے والے لا رہے ہیں۔ آپ اگر ان کے متعلق بات کرنا چاہتے ہیں۔ تو سب سے پیچھے جو حضرت تشریف لا رہے ہیں۔ ان سے بات کریں۔ صاحب سوات جو پیچھے گئے تو دیکھا کہ حضور غوث پاک سرکار بغداد تشریف لا رہے ہیں۔ صاحب سوات نے ان سے عرض کیا کہ حضرت ان نیلی آنکھ والوں کو آپ ہندوستان میں کیوں لا رہے ہیں۔ حضور غوث پاک نے فرمایا کہ "آپ بھی صاحب وقت ہیں ذرا دنیا میں نگاہ دوڑا کر دیکھیں تو کہ انتظام کے قابل کوئی دوسری قوم ان کے علاوہ آج روئے زمین پر پائی

جاتی ہے۔ صاحب سوات نے عرض کیا کہ حضور یہ تو صحیح ہے کہ یہ قوم منتظم ضرور ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ چونکہ عیار و مکار بھی ہے۔ اس لئے ہیں ان کو یہاں نہیں آنے دوں گا۔ اس پر سیدنا غوث پاک نے فرمایا کہ "چونکہ آپ اس وقت کے غوث ہیں آپ کی غوثیت، مرتبہ و مقام کا لحاظ کرتے ہوئے میں یہ فیصلہ دیتا ہوں کہ آپ کا علاقہ سوات انگریزی تسلط سے باہر رہے گا۔" یہ تو تھی کشف کی اور روحانی کی بات، مگر دنیا والوں نے دیکھ لیا کہ صاحب سوات کا علاقہ سوات انگریزی تسلط و قبضہ سے باہر ہی رہا۔ انگریزوں کے سوات پر قبضہ کرنے اور سوات اور بونیر کے خوبصورت پہاڑوں میں کوٹھیاں تعمیر کرنے کا خواب باوجود انگریزوں کے ہزار جتن و کوششوں کے شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ اور انگریز کفِ افسوس ملتے ہی رہ گئے۔ مگر سوات پر قبضہ نہ کر سکے۔ اور یہ سب کچھ رجل عظیم، مرد آہن۔ غوثِ زمانہ صاحب سوات کا تصرف اور بارگاہِ خداوندی میں ان کی عزت و وجاہت اور مقبولیت ہی کا اثر تھا۔

غزائے بونیر اور صاحب سوات

۲۳ دسمبر ۱۸۶۳ء کو امبیلہ کے محاذ پر ہندوستانی مجاہدین اور صاحب سوات کے چند عقیدت مند صاحب سوات کے گرد حلقہ باندھے ہوئے بے سروسامانی کے عالم میں لڑ رہے تھے۔ اور انگریز فوج کی تعداد دس ہزار تھی۔ خدا کی شان دیکھئے کہ ایک طرف برطانیہ جیسی عظیم حکومت کی دس ہزار منظم اور تربیت یافتہ فوج۔ ہر قسم کے اسلحہ اور توپوں کے ساتھ آزمودہ کار فوجی کمانڈروں کی کمان میں لڑ رہی تھی۔ اور دوسری طرف بے سروسامان مجاہدین تھے۔ جن کے پاس دیسی ساخت کی رائفلیں، لاٹھیاں اور کلہاڑیاں تھیں۔ بایں ہمہ حالت یہ ہو گئی کہ انگریزی فوج کو کھل کر لڑنے کی ہمت نہ رہی۔ اور انگریزی فوج سہ طرفہ محاصرہ کئے ہوئے تھی۔ اور انگریزی فوج کا ایک دستہ ایک انگریز کمانڈر کی سرکردگی میں مجاہد اعظم اور انیسویں صدی کے رجل عظیم صاحب سوات کو گرفتار کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ اب خدا کی قدرت دیکھئے کہ اس

موقعہ پر انگریزی فوج کے کمانڈر اعلیٰ نے دُوربین لگا کر جب پہاڑوں کی طرف دیکھا تو اُسے مجاہدین کی تعداد ساٹھ ہزار سے زیادہ نظر آئی۔ جو کہ جھاڑیوں میں چھپے نظر آرہے تھے۔ انگریز کمانڈر نے اسے غازیوں کی ایک جنگی چال سمجھتے ہوئے اپنی فوج کو فوراً واپسی کا حکم دیا۔ اور انگریز جرنیل نے صاحب سوات کی خدمت میں فوراً صلح کے لئے درخواست کی چنانچہ انگریزوں نے صاحب سوات کی اپنی شرائط پر صلح کر لی۔ امبیلہ کی اس لڑائی کے بعد انگریزوں کو پھر کبھی یہ ہمت نہ ہوئی۔ کہ سوات اور بونیر کی تسخیر کے لئے فوج کشی کریں۔ اس خوبصورت دیس کو انگریز کی غلامی سے آزاد رہنے کا فخر ہمیشہ کے لئے انگریزی حکومت کے سو سالہ دور میں حاصل رہا۔ اور یہ سب کچھ حضرت صاحب سوات کی باطنی توجہ ولقرّف اور کرامت کا نتیجہ تھا۔

صاحب سوات کی شبیہ مبارک

کھلا ہوا چہرہ۔ سفید ڈاڑھی۔ رنگ عبادت اور دائمی ریاضت کی وجہ سے زرد۔ قد درمیانہ۔ بارعب چہرہ۔

آپ کا لباس

صاحب سوات کا لباس سادہ ہوا کرتا تھا۔ ہمیشہ آپ ملکی کھدر استعمال کرتے تھے۔ سفید کھدر کا کرتہ۔ اور شلوار۔ سفید عمامہ اور کوہاٹی چادر بس یہی آپ کا لباس تھا

خوراک اور غذا

لذیذ اور مرغن غذائیں آپ نے کبھی استعمال نہیں کیں ہمیشہ کے لئے جو کی روٹی اور قہوہ اور چائے بطور غذا استعمال کرتے تھے۔

صاحب سوات کی زندگی کے مقاصد

۱۔ تبلیغ دین اسلام ۲۔ بھٹکے ہوؤں کی اخلاقی اصلاح۔

۲۔ جہل بدعات اور باطل رسومات کا انسداد۔
۳۔ سوات اور بونیر کے لئے حکومت الٰہیہ کا قیام۔
۴۔ سوات اور بونیر کو انگریزی سیلاب سے بچانا۔
۵۔ صوبہ سرحد کو انگریزی تسلط سے آزاد کرانا۔

سوات میں حکومت الٰہیہ کا قیام

جب انگریزوں نے پشاور پر بھی قبضہ کرلیا۔ تو اخوند صاحب کو سوات کے ملحقہ علاقوں کے بچاؤ کی فکر دامن گیر ہوئی۔ آزادی اور تہذیب کے تحفظ کی خاطر آپ نے ایک مضبوط شرعی حکومت قائم کرنے کی کوششیں شروع کیں۔ چنانچہ سوات کے اندر حکومت الٰہیہ قائم کرنے میں صاحب سوات کامیاب ہوگئے۔ اور خود تو امیر بننے سے آپ نے احتراز فرمایا۔ مگر ضلع ہزارہ کے موضع ستھانہ کے سید اکبر شاہ (جو کہ غوث زمانہ سید علی شاہ ترمذی المعروف بہ پیر بابا علیہ الرحمۃ کی نسل سے متعلق تھے) کا نام اس مقصد کے لئے پیش کیا۔ چنانچہ سید اکبر شاہ کو ہی امیر شریعت منتخب کیا گیا۔

صاحب سوات کی شخصیت

حضرت والد صاحب فرماتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ صاحب سوات علیہ الرحمۃ نے اپنے ایک خادم سے پوچھا (جو کہ عالم تھے) کہ میرے اندر شرعی نکتہ نگاہ سے اگر کوئی غلطی ہو تو مجھے اس پر مطلع کرو۔ اس نے عرض کیا حضور آپ کے اندر بھلا شرعی غلطی کہاں۔ آپ نے پھر دوبارہ فرمایا کہ نہیں اگر تمہیں کوئی شرعی سُقم میرے اندر نظر آتا ہو تو ضرور مجھے بتاؤ۔ اس پر اُس خادم نے عرض کیا۔ حضور اگر میں عتاب میں نہ آ جاؤں۔ امان ملے اور جان بخشی ہو تو عرض کردوں۔ فرمایا تمہارے لئے امان ہے کہو جو کہنا ہے۔ عرض کیا کہ آپ جب عربی عبارت پڑھتے ہیں تو اس میں نحوی لحاظ سے غلطیاں ہوتی ہیں۔ یہ سن کر آپ جوش میں آگئے۔ مگر امان کا وعدہ ہو چکا تھا۔ وہ شخص

سلامت رہا۔ اور آپ کوئی بات کئے بغیر سید ھے مکان کی چھت کی سیڑھی چڑھنا شروع ہو گئے۔ اور پھر تین شبانہ روز مکان کی چھت پر ہی رہے۔ اور پھر جب نیچے اُترے تو اُس خادم سے فرمایا۔ کہ میں نے جب پہلی سیڑھی پر قدم رکھا۔ تو علم صرف پڑھنا شروع کیا۔ اور مکان کی چھت پر پہنچنے تک تمام علوم درسیۂ مروّجہ میں نے پڑھ ڈالے۔ پھر تین دن تک مکان کے اوپر ذات و صفات خداوندی کے علوم پڑھتا رہا ہوں۔ اب اس کے بعد تم میرے عربی عبارت پڑھتے وقت خیال کرنا۔

دوسرا واقعہ ایک دفعہ عصر کے وقت اخوند صاحب مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ کہ باہر سے ایک مجذوب درویش ایک مونڈھے پر بلاّ اور دوسرے پر کتّا باندھے مسجد کے اندر آ گیا۔ آپ نے اس کی بہت دلجوئی فرمائی کھانے کو کچھ دیا اور پھر دیر تک اُس سے باتیں کرتے رہے۔ اور جب وہ رخصت ہونے لگا۔ تو آپ نے چند قدم اس کے ساتھ چل کر اس کو رخصت کیا۔ حاضرین ساتھی اس منظر کو دیکھ کر بہت حیران تھے۔ اخوند صاحب نے فرمایا کہ یہ مرد الہٰی صحیح درویش تھا۔ اور یہ جو اس نے بلاّ اور کتّا باندھ رکھا تھا۔ یہ دراصل بلا۔ کتا نہ تھا۔ بلکہ اس کا نفس اور شیطان تھے۔ جن کو اس نے بصورت بلا اور کتا باندھ رکھا تھا۔ پھر فرمایا کہ ایسے بہت سے مرد محبوبانِ الٰہی میں سے ہوتے ہیں۔ کہ جن کی شکل و صورت سے ظاہر بین لوگ کچھ نہیں سمجھ سکتے۔

مؤلف ناچیز حدیث شریف میں ہے۔ كَمْ مِنْ اَشْعَثَ اَغْبَرَ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ (مشکوٰۃ شریف کتاب الدعوات) اور دوسری روایت میں اتنا مزید اضافہ ہے۔ مَدْفُوْعٍ عَلَى الْاَبْوَابِ (ترجمہ) بہت سے ایسے آدمی ہیں کہ بال بکھرے ہوئے۔ غبار آلودہ، لوگوں کے دروازوں پر دھکے کھا رہے ہیں۔ کہ اگر قسم کھا کر کوئی بات کہدیتے ہیں۔ تو اللہ ان کو اس قسم میں حانث نہیں کرتا۔ یعنی ان کے منہ سے نکلی ہوئی بات کو پورا کر دیتا ہے۔

"ڈاکٹر بلیو" ایک انگریز محقق نے لکھا ہے۔ کہ اخوند صاحب سوات کی شخصیت صرف پٹھانوں کے لئے محترم نہ تھی۔ بلکہ افغانستان اور عرب علاقوں میں بھی آپ کے معتقدین ہزاروں تھے۔ چنانچہ مضافات موصل میں حضرت اخوند صاحب کے معتقدین ایک ہزار سے زیادہ تھے۔ (انتہی)

علامہ جمال الدین افغانی نے اپنی تصنیف "البیان فی تاریخ افغان" میں لکھا ہے کہ "اخوند صاحب کا شمار عالم اسلام کی برگزیدہ ہستیوں میں ہے۔ آپ کے فتوے مستند ہوا کرتے تھے۔ اور آپ کا شمار ان عظیم انسانوں میں ہوتا ہے کہ جن کے متعلق کہا گیا ہے

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما۔

آپ صرف گوشہ نشین زاہد ہی نہ تھے۔ بلکہ انیسویں صدی کے عظیم حریت پسند مجاہد، صاحب بصیرت، سیاست دان۔ عالم اسلام کے نامور عالم اور مجدد دین، اور میدان جہاد میں غازیوں کے ایک سرفروش رہنما بھی تھے۔ قطع نظر اس کے کہ آپ صاحب کرامات ولی اور غوث زماں تھے۔ صاحب سوات انیسویں صدی کے عظیم دانشور بھی تھے۔ آپ کی پیشین گوئیاں حرف بحرف صحیح ثابت ہو چکی ہیں۔

صاحب سوات کے بلند کردار اور خوش اخلاقی کی یہ حالت تھی کہ وہ متعصب پادری جنہیں مسلمان بزرگوں سے خدا واسطے کا بیر ہوتا ہے۔ وہ بھی مجبور ہو گئے۔ کہ صاحب سوات کی عظمت کا اعتراف کریں۔ پشاور اور صوبہ سرحد کے لئے چرچ کے بعد ایک مبلغ اور مسیحی پادری "ہیوگس" نے صاحب سوات کی عظمت اور تقدس کا شہرہ سن کر بچشم خود دیکھنے سوات آئے۔ سوات میں بچشم خود سب کچھ دیکھنے کے بعد اسی پادری نے "دی اخوند آف سوات" ایک پمفلٹ لکھا۔ چنانچہ اسی پمفلٹ میں ہیوگس نے صاحب سوات کے متعلق لکھا ہے۔ کہ "جن اوصاف نے آپ کو نہ صرف مسلمانوں کا مسلمہ روحانی پیشوا۔ بلکہ موجودہ دنیا کی ایک عظیم شخصیت کا مالک بنا دیا ہے۔ وہ آپ کا بے مثال تدبر، بلند کردار، کریمانہ اخلاق اور بے ریا زہد و طاعت، پُر خلوص اور بے لوث اصلاحی جذبہ ہے۔" انتہی۔

ہے۔ آئی۔ بلوڈن۔ کے سی آئی۔ ایک اور انگریز مصنف اپنی یاداشت میں لکھتے ہیں۔ کہ بد موجودہ سوات کی عظیم ترین شخصیت اور ہر دلعزیز راہنما جناب عبدالغفور خان اخوند آف سوات ہیں۔ جن کے روحانی اقتدار کا پرچم نہ صرف کوہستان سوات و بونیر پر لہرا رہا ہے۔ بلکہ ہندوستان، افغانستان اور دوسرے اسلامی ممالک میں بھی آپ کا کافی اثرونفوذ ہے۔ آپ کے دیدار کے لئے صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلم بھی آتے ہیں۔ انتہیٰ۔

یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ صاحب سوات کا شمار ان عظیم دانشوروں اور مفکروں میں ہوتا ہے۔ کہ جن کی ہستی پر صرف ملت اسلامیہ ہی نہیں۔ بلکہ پورے مشرق کو فخر و ناز کرنے کا حق حاصل ہے۔ آپ وہ عظیم الشان تھے۔ جو صدیوں کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔

عمرہا در کعبۂ و بت خانہ مے نالد حیات تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید برون

ایک ہندو کو پیٹ کے مرض کی شکایت تھی۔ بیماری دائمی قسم کی تھی۔ چنانچہ یہ لالہ جی صاحب سوات کی خدمت میں ایک دن حاضر ہوا۔ اور کہا کہ جناب اس مرض نے جینا دوبھر کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارا علاج مشکل بھی ہے اور آسان بھی۔ لالہ جی نے حیران ہو کر پوچھا کہ صاحب وہ کیسے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ گائے کا تھوڑا سا گوشت کھانے سے کامل صحت ہو سکتی ہے۔ لیکن تمہارے مذہب میں منع ہے۔ اس لئے میں تمہیں یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ گائے کا گوشت کھالو۔ ہندو نے کہا کہ رام رام گائے کا گوشت کیسے کھا سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں کب کہتا ہوں کہ کھاؤ۔ البتہ میں نے کہا ہے۔ کہ تھوڑا سا کھانے سے اس مرض کا علاج ہو سکتا ہے۔ لالہ جی روانہ ہوئے تو راستے میں ایک جگہ دیکھا کہ گائے ذبح ہو چکی ہے۔ اور لوگ گوشت بھون کر کھا رہے ہیں۔ اب اسے خیال آیا کہ بطور دوا اگر تھوڑا گوشت کھالوں۔ تو کیا مضائقہ ہے۔ چنانچہ وہیں بیٹھ کر تھوڑا سا بھنا ہوا گوشت کھا لیا۔ ایک گھنٹہ کے بعد جب لالہ جی کو رفع حاجت ہوئی۔ تو ایک لمبا کیڑا سانپ کی طرح باہر نکل آیا۔ چنانچہ مریض کے پیٹ میں وہ تکلیف ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔ اس واقعہ سے متاثر ہو کر وہ ہندو مسلمان ہو گیا۔ اس طرح

جسمانی علاج کے ساتھ ساتھ روحانی علاج بھی ہو گیا۔ اور بقول صاحب سوات اُسے شفائے کامل نصیب ہو گئی۔ صاحب سوات نے اگرچہ باقاعدہ طب نہیں پڑھی تھی۔ مگر تاہم آپ کے تجویز کردہ نسخے تیر بہدف ثابت ہوتے تھے۔

تو یہ تھی صاحب سوات کی عظیم شخصیت۔ آپ چوبیس سال مسلسل تحصیل علم اور ریاضت و طریقت کے سلسلے میں سوات سے باہر رہے۔ اور جب سوات آئے۔ تو سوات کے لئے وہ مخلصانہ جدوجہد کی۔ کہ سوات کا نام روشن ہو گیا۔

آپ کا مزار خاص سیدو شریف میں صحن مسجد کے اندر واقع ہے۔ بڑی خوبصورت مسجد بنی ہوئی ہے۔ مسجد میں سے صاف پانی نالی میں بہہ رہا ہے۔ جہاں لوگ وضو کرتے ہیں۔ آپ کے مزار پُر بہار پر باہر سے آنے والے لوگ اکثر اوقات موجود زیارت کر رہے ہوتے ہیں۔ مؤلف کتاب کے والد ماجد حضرت علامہ قاضی محمد عبدالسبحان صاحب رحمتہ اللہ علیہ افسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ کاش ہمارے آباؤ اجداد جو حضرت صاحب سوات علیہ الرحمتہ کے زمانہ میں موجود تھے آپ سے بلا واسطہ نسبت قائم کر لیتے۔ تو ان کی نسل کو دین و دنیا میں بالخصوص اتباع شرع مطہرہ میں خصوصی ترقی حاصل ہوتی۔ اور عشق الٰہی کے راستے میں آدان شریف کے طریقہ مقدسہ کے اندر جو لازمی تکالیف و پریشانیاں لاحق ہوتی ہیں یہ قطعاً نہ ہوتیں۔ بلکہ اتباع شرع شریف کا ایک صاف و شفاف راستہ ہاتھ آیا ہوتا۔ اور دنیا و دین کا ہر کام سلیقہ اور کامیابی سے انجام پاتا۔

صاحب سوات کے خلفاء و مریدین

روحانی اصلاح اور تنظیم کے لئے آپ نے مختلف علاقوں میں "نائب" و امیر مقرر کئے تھے۔ جو کہ اخوند صاحب سوات کے خصوصی مرید تھے اور جن کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

(۱) حضرت عبدالرحیم صاحب سہارن پور (یوپی۔ ہندوستان)

(۲) حضرت قاضی صاحب غریب نواز آدان شریف ضلع گجرات سابق پنجاب۔

۳) حضرت میاں صاحب حضرو والے ضلع کیمبل پور

۴) چپری ملّا صاحب علاقہ تیراہ۔ قبائلی علاقہ

۵) حضرت مُلّا صاحب کربوغہ۔ ضلع کوہاٹ

۶۔ حضرت مُلّا نجم الدین صاحب المعروف بہ ھڈے مُلّا صاحب افغانستان۔

۷) حضرت مُلّا عبدالوہاب المعروف بہ مانکی مُلّا صاحب مانکی شریف ضلع پشاور

۸) حضرت محسود مُلّا صاحب۔ جنوبی وزیرستان

۹) حضرت شاہ بابا صاحب۔ علاقہ دیر۔

۱۰) حضرت پالام بابا صاحب۔ علاقہ دیر۔

۱۱) حضرت سوتا مُلّا صاحب۔ تحصیل صوابی۔

مذکورہ حضرات۔ آپ کے پروگرام کے مطابق ان مذکورہ علاقوں میں سرگرم عمل تھے۔ حضرت قاضی صاحب غریب نواز آدان شریف فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شاہدولہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے عشق الٰہی کے جن راستوں سے مجھے گذارا ہے اگر میرے پیر حضرت اخوند صاحب کی برکت شامل حال نہ ہوتی تو میرا جامۂ شریعت جل جاتا۔

حضور غریب نواز کا یہ مذکورہ بالا قول مؤلف حالات کے والد ماجد کی زبانی بحوالہ حضور دادا صاحب کتاب مقامات محمود کے صدا۱۸ پر نواب معشوق یار جنگ بہادر (دکن حیدرآباد) نے درج فرمایا ہے۔

حضرت میاں صاحب حضروؒ

حضور والد صاحب کی زبانی سنا تھا۔ کہ میاں صاحب حضروؒ اس قدر پابند شرع اور محتاط و متورع تھے۔ کہ اپنے کھانے کے لئے سال بھر کے واسطے گندم سرگودھا کے علاقہ سے اس زمیندار کی زمین سے منگوایا کرتے تھے۔ جو کہ خود اپنی زمین کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ زمین کو جائز پانی سے سیراب کرتے۔ اور عشر نکالنے کا پابند ہوتا تھا۔ اور حضروؒ میاں صاحب نے تمام عمر اپنی زمین میں تمباکو نہیں لگانے نہیں دیا۔ حالانکہ حضرو میں زمیندار اکثر اپنی زمینوں میں تمباکو ہی کاشت کرتے ہیں

اور یہ سب اثر تھا پیر و مرشد حضور صاحب سوات علیہ الرحمۃ کا کہ آپ تمباکو کے بہت مخالف تھے۔ جیسے کہ حضرت والد صاحب کی زبان صدق زبان سے سنا۔ مؤلف ناچیز ابوالفتح غلام محمود کو حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کئی مرتبہ حضرو ضلع کیمبل پور میں حضرت میاں صاحب کے مقام پر حاضر ہونے کا موقعہ ملا ہے۔ حضرت میاں صاحب کے مزار پر انوار کی زیارت نصیب ہوئی ہے۔ فرحمۃ اللہ تعالیٰ۔

حضرت صاحب آوان شریف کے باقیماندہ حالات کا تذکرہ

حضور[1] والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سنا تھا۔ کہ ایک دفعہ حضور غریب نواز مکان کی سیڑھی پر چڑھ رہے تھے۔ کہ اچانک گر گئے۔ اور پھر کئی دن تک۔ تکلیف رہی۔ آپ کے محرم راز سنگیوں نے جو کہ آپ کے بلند مقام سے واقفیت رکھتے تھے۔ خلوت میں آپ سے اس گرنے کا راز پوچھ لیا۔ تو حضور غریب نواز نے فرمایا۔ کہ اصل واقعہ یہ ہے۔ کہ میں روحانی پرواز کے طور پر عالم بالا میں اوپر جا رہا تھا۔ کہ عرش عظیم کے نیچے جو بہت بڑا توحید کا دریا ہے۔

مؤلف ناچیز جس کا تذکرہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے ضمناً مثنوی معنوی میں یوں کیا ہے۔

ہست قرآں حالہائے انبیاء　　　ماہیانِ بحرِ پاکِ کبریا

---

[1] حضور والد صاحب کی زبانی سنا تھا۔ کہ دریائے جہلم کے اس کنارے پر صاحب سوات علیہ الرحمۃ روحانی طور پر موجود تھے۔ اور دوسرے کنارے پر حضرت شاہ دولہ صاحب۔ تو صاحب سوات علیہ الرحمۃ نے دریا کے اس کنارے سے گلاب کا ایک پھول حضرت شاہ دولہ کی طرف پھینکا جسکو حضرت شاہ دولہ نے پکڑ لیا۔ اور یہ پھول درحقیقت حضرت صاحب آوان شریف تھے۔ جنکو صاحب سوات نے یوں حضرت شاہ دولہ کے حوالے کر دیا۔

یعنی قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے حالات کا تذکرہ ہے۔ وہ انبیاء جو توحید کے پاک دریا کی مچھلیاں ہیں۔

ہاں تو آپ نے بتایا کہ میں روحانی پرواز کے دوران توحید کے اس بڑے دریا کے کنارے جا پہنچا۔ پھر کیا دیکھتا ہوں کہ اُس دریا کے کنارے انبیاء علیہم السلام اور کئی ایک اولیاء کرام کھڑے ہیں۔ سو ان کو دیکھ کر میں بھی وہیں کھڑا ہو گیا۔ پیچھے سے شاہسوارِ عشق حضرت شاہدولہ علیہ الرحمۃ تشریف لے آئے اور مجھے دھکا دے کر عشقِ الٰہی کی اس آگ میں پھینک دیا جو کہ اُس دریا کے دوسرے کنارے پر تھی۔ مگر تھی اس قدر سخت اور زیادہ کہ اُس کے شعلوں کا اثر اِس کنارے پر پہنچ رہا تھا[۱]۔ حضور والد صاحب فرماتے تھے۔ کہ جس وقت یہ واقعہ پیش آیا۔ تو عشق الٰہی کی اس قدر گرمی پڑی کہ آدان شریف کے مویشی کیلوں کے ساتھ بندھے ہوئے رسیاں توڑ توڑ کر بھاگنے لگے (العیاذ باللہ تعالیٰ)

حضور غریب نواز صاحب سوات کے وصال کے بعد دو مرتبہ سعید شریف تشریف لے گئے۔

پیر کا فرمان

حضرت اخوند صاحب نے نویں حاضری میں ہی فرما دیا تھا۔ کہ اگر کبھی دل تنگ ہو تو گجرات جا کر حضرت شاہدولہ کے مزار پر حاضر ہوا کرو۔ راحت نصیب ہو گی۔ اس فرمان سے گویا کشفِ قبور کی چابی مل گئی۔

حضرت شاہ دولہ رح کے دربار کی حاضری

اس حکم کی تعمیل میں آپ نے گجرات کی حاضری بھی شروع کی۔ چوہدری اللہ دین صاحب ساکن طاہر (ضلع گجرات) ۔۔۔انتے ہیں۔ کہ آپ نے

---

[۱] اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا۔ کہ یہ تو اپنی اپنی امتوں یا مریدوں کے لئے کھڑے ہیں۔ تم کس لیے کھڑے ہو گئے

ایک خواب دیکھا تھا۔ کہ کوئی کہہ رہا ہے۔ کہ تمہارا حصہ حضرت شاہ دولہ کے پاس ہے۔ اس کے بعد پھر یہی خواب دیکھا۔ اور جب حضرت اخوند صاحب علیہ الرحمۃ سے آپ نے بیان فرمایا تو آپ نے بھی تصدیق فرمائی۔ اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر حضرت شاہ دولہ کے سپرد کر دیا۔ (از کتاب مقامات محمود ص۱۴۲) پہلی بار ۱۲۹۰ھ میں آپ جناب شاہ دولہ کے مزار پر حاضر ہوئے تو ادھر سے کوئی توجہ نہ دیکھی۔ دو تین بار پھر حاضر ہوئے مگر بے التفاتی ہی رہی۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ پہلا سال پورا حیرت و اضطراب میں گذارا۔ حضرت شاہ دولہ صاحب کی طرف سے ہیبت اور بے پرواہی تھی۔ مگر حاضری دینے کے سوا چارہ ہی نہ تھا۔ نیز اتنی تکلیفیں اور مصائب رونما ہوئے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ نہ کوئی یار نظر آتا اور نہ مددگار۔ منطق پڑھانے کی ممانعت کر دی گئی۔ جب آپ نے طالب علموں کو جواب دے دیا کہ منطق نہیں پڑھاؤں گا۔ تو انہوں نے کہا کہ ہیئت کی کتاب شرح چغمینی پڑھائیے۔ تو آپ نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ اتنے میں والد ماجد کا خط آیا۔ کہ پہلے بیضاوی شریف کے رکوع دو رکوع تبرکاً پڑھاؤ تو اس کے بعد شرح چغمینی بھی پڑھا دیا کرنا۔ (مقامات محمود ص۱۴۲) مگر حضرت شاہ دولہ علیہ الرحمۃ کی طرف سے اجازت نہ ہوئی۔ مولوی عبدالرحمن صاحب ساکن پنڈی سرہال ضلع کیمبل پور فرماتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ آپ حضرت شاہ دولہ صاحب کے مزار کے نزدیک مسجد کے حجرے میں دوپہر کے وقت سو رہے تھے اور پاس شرح چغمینی اور دوسری زائچے کی کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ کہ آپ نے خواب دیکھا کہ ایک قد آور سیاہ رنگ جوان سامنے کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے کہ شرح چغمینی اور زیچے کی کتابیں پڑھانے سے توبہ کرو ورنہ زمین کے ساتویں طبق کے نیچے اٹھا کر پھینک دوں گا۔ یہ دیکھتے ہی آپ بیدار ہو گئے اور گھبرا کر طلبہ سے فرمایا۔ کہ میں یہ کتابیں نہیں پڑھاؤں گا۔ ہاں مطول (علم معانی و بیان کی مشہور درسی کتاب) پڑھا دوں گا آپ نے پھر اس شخص کو خواب میں دیکھا کہ اس سے بھی منع کر رہا ہے۔ اس کے بعد

ایک یا دو دفعہ اسی طرح کا خواب دیکھا۔ جس میں ایک صاحب جو بمطابق کتاب مقامات محمود عبداللہ غازی المعروف بہ پیرے شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ ہونگے سخت غصے میں آکر کہہ رہے ہیں کہ مثنوی مولانا مولانا روم کو اور زیچ کو پھینک دو۔ اس کے بعد آپ نے طالب علموں کی صحبت ہی ترک کردی۔ ایک عرصہ کے بعد حضرت شاہدولہ کا یہ حکم ہوا کہ مسجد میں امامت کرو۔ اور صحیح بخاری پڑھایا کرو۔ آپ کو امید ہوئی کہ اور کتابیں بھی پڑھانے کی اجازت مل جائے گی۔ مگر یہ امید بر نہ آئی۔ حضرت شاہدولہ کے مزار پر روزانہ چالیس پارے کھڑے ہو کر پڑھتے تھے قرآن پاک کے چالیس پارے پڑھنے کی نوبت بتدریج آئی۔ یعنی ایک روز گیارہ پارے پڑھے۔ پھر چند روز کے بعد پندرہ کر دیئے۔ پھر بیس کیے پھر پورا قرآن پاک۔ پھر اس پر پانچ اور پھر دس اور پڑھائے۔ چالیس پارے روزانہ اس طرح پڑھتے تھے۔ کہ لب بند رہتے اور زبان زبان تالو سے لگتی رہتی۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد اسی ترتیب اور مقدار سے کم کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ پانچ پارے روزانہ کی نوبت آگئی۔ اس طریق تلاوت میں نو مہینے لگے۔ زانو تک پاؤں پر ورم آگیا۔ پھر عادت سی پڑ گئی۔ حضور غریب نواز خود فرماتے تھے۔ کہ اس لزوم سے جمعہ کے دن چھٹی ہوا کرتی تھی۔ مگر چھٹی کے دوران طبیعت پر بے آرامی اور کسالت سوار ہو جاتی تھی۔ مغرب کے نفلوں میں سورہ یوسف اور سورہ یٰسین لازمی ہو گئیں۔ نیز کبریت احمر، درود مستغاث اور قصیدہ بردہ (بوصیری) اور دوسرے وظائف بھی اضافہ ہوئے۔ یہ تمام وظائف اور قرآن کھڑے کھڑے پڑھنا پڑتا تھا۔

آپ کا مزارات اولیاء اللہ پر حاضری دینا

حضور غریب نواز نے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار گہربار پر حاضری دی۔ اور رات کو وہاں قیام فرمایا ہے۔ سنا ہے کہ ایک موقعہ پر لوگوں نے حضرت کو مجبور کر کے حضور داتا صاحب کی مسجد میں وعظ کہنے کے لئے منبر پر کھڑا کر دیا۔ حضور کچھ خاموش رہے۔ پھر فرمایا کہ بھائیو پڑھا تو بہت کچھ تھا۔ مگر بھول گیا ہوں۔ بس اتنا کہنا تھا کہ لوگوں پر رقت طاری ہو گئی اور حاضرین نے رونا شروع کر دیا۔

حضور نے پشاور۔ لاہور۔ ملتان۔ دہلی۔ تولنسہ شریف۔ شاہ مقیم۔ شیر گڑھ وغیرہ مقامات پر مزارات اولیاء اللہ پر حاضری دی ہے۔ والد صاحب سے سنا تھا کہ حضور نے اس دورہ کے بعد یہ ارشاد فرمایا کہ "جتھے لوٹا سٹیا اسے چکڑ دا بھریا ہویا آیا آ تولنسے دھوآں وکھدا نظر آیا اسے"، یعنی جہاں پر لوٹا پھینکا ہے۔ مراد جس مزار سے بھی اکتساب فیض کیا ہے۔ کیچڑ کا بھرا ہوا نکلا ہے۔ یعنی ٹھنڈک حاصل ہوئی ہے۔ مگر تولنسہ شریف حضرت شاہ سلیمان رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر دھواں اٹھتا نظر آیا۔ یعنی وہاں پر عشق الٰہی کی کچھ گرمی محسوس ہوئی ہے۔

حضور غریب نواز نے دہلی۔ پانی پت۔ پیران کلیر شریف۔ اجمیر شریف کا بھی سفر کیا ہے۔ آپ شیخ چوگا نذر رضی اللہ عنہ (جلال پور جٹاں کے قریب بموجب آپ کے صحابیؓ کا مزار ہے) تشریف لے جاتے رہے۔

حضرت پیر لنگر کے مزار پر جو موضع مل میں ہے۔ آپ تشریف لے جاتے رہے ہیں۔ صاحب مزار کا نام آپ نے از راہ کشف حمیالان بتایا۔ کہتے ہیں کہ آپ حضرت ہارون علیہ السلام پیغمبر کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت قاضی صاحب نے آپ سے بہت زیادہ فیض حاصل کیا۔ آپ کا مزار موضع مل کے قبرستان میں واقع ہے۔ موضع مل آوان شریف سے تقریباً ایک میل (جانب جنوب) کے فاصلے پر واقع ہے۔

حضور غریب نواز۔ حضرت سلیمان پارس صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر جو شہر جہلم میں ریل کے پل کے قریب مغرب کی جانب برلب دریا واقع ہے۔ بھی حاضری دیتے رہے ہیں۔ حضرت والد صاحب فرماتے تھے۔ کہ حضور دریائے جہلم سے پانی کا گھڑا بھر کر مزار اقدس پر ڈالتے اور دربار عالیہ میں عرض کرتے کہ میں بھی جلا ہوا ہوں مجھ پر بھی پانی ڈال دیجئے۔ حضور غریب نواز کی چلہ کشی کی جگہ پیر سلیمان پارس صاحب کے پاؤں کی طرف چھوٹی مسجد کے صحن میں پیپل کے درختوں کے درمیان تھڑے کی صورت میں اب بھی یہ نشان قائم ہے۔ حضور غریب نواز نے پیر سلیمان پارس رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ بھی فرمایا ہے۔ کہ آپ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضرت پیر سلیمان پارسؒ کا عرس مبارک ہر سال ماہ ساون کی آخری

[illegible]

اہل مزار کا آنا یہ بیان کر دینا بھی ضروری ہے۔ کہ صرف آپ ہی مزارات پر نہیں جاتے تھے۔ بلکہ اہلِ مزار کی ارواح مقدسہ بھی آپ کے پاس آکر اپنا اور دوسرے مزاروں کا پتہ دیتی تھیں۔ اور حاضری کے لئے بھی مشورہ دیتی تھیں۔

مؤلف ناچیز ابوالفتح غلام محمود اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ایک مرتبہ عرس شریف کے موقعہ پر مورخہ ۱۶ بیساکھ کو آدان شریف حاضر ہوا۔ وہاں حضور غریب نواز کے خلیفہ حضرت شاہ نوراللہ صاحب سیالکوٹی کی زبانی سنا۔ کہ ایک مرتبہ میں حضور غریب نواز کے ہمراہ سفر میں تھا۔ آپ راولپنڈی کے علاقہ میں دورہ کر رہے تھے کہ عصر یا عشاء کے وقت پانی کا لوٹا لئے حضور غریب نواز استنجا کرنے کے لئے ایک کھلے مقام پر بیٹھنے لگے۔ تو نیچے سے آواز آئی کہ "ہوں ہوں یہاں میں ہوں۔ آپ نے وہاں سے دوسری جگہ بیٹھنے کا ارادہ کیا تو وہاں سے بھی آواز آئی کہ میں ہوں" آپ نے وہاں سے بھی ہٹ کر تیسری جگہ بیٹھنے کا ارادہ کیا تو وہاں سے یونہی آواز آئی۔ اور آپ اس وقت ایک کھلے میدان میں استنجا کے لئے بیٹھ رہے تھے۔ بالآخر آپ نے استنجا کا ارادہ ترک دیا۔ اور جتنے مقاموں سے آوازیں آئی تھیں۔ وہ کوئی تقریباً سولہ مقامات تھے۔ قبروں کے نشان لگانے کے لئے مجھ سے فرمایا کہ شاہ جی پتھر لاؤ تاکہ یہاں قبروں کے نشانات بنا دیئے جائیں۔ چنانچہ میں پتھر لاتا رہا اور آپ نشان بناتے گئے۔

حضور غریب نواز کشف قبور میں بہت بلند پایہ رکھتے تھے۔ آپ نے ریلوے لائن کے اندر کئی مقامات پر قبریں بتائیں۔ تو انگریزوں نے آپ کی بات کا احترام کرتے ہوئے وہاں سے لائن ہٹا دی۔ جیسے کہ حضور والد صاحب نے بتایا تھا۔

حضور غریب نواز کی کرامات

حضور غریب نواز سے کئی قسم کی کرامتیں صادر ہوئیں۔ مگر یہاں صرف چند ہی کا

ذکر کیا جاتا ہے۔

فراخیٔ رزق

(۱) ایک مرتبہ آپ بدلوٹ (ضلع جہلم میں کوٹلی کھائی کے پاس ایک گاؤں ہے) سے گزرے۔ تو ایک بڑھیا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ اس گاؤں کے لوگ بہت بھوکے ہیں۔ خدائے عزّ وجل سے ان کے رزق کے لئے دعا کیجئے۔ آپ یہ سن کر کچھ دیر خاموش رہے۔ پھر فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی۔ آپ کا گاؤں کبھی رزق کا محتاج نہ ہوگا۔ کہتے ہیں کہ اب اس گاؤں میں ہر شخص خوشحال ہے۔ اور وہاں دولت کی ریل پیل ہے۔

(۲) سنا ہے کہ جہلم شہر کے مولانا حافظ نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس قدر غریب تھے۔ کہ خود ان کی زبانی یہاں کے لوگ بیان کرتے ہیں کہ وہ کہتے تھے کہ میں ایک مرتبہ صرف چار آنے کے لئے موضع سنگھوئی (جو جہلم شہر سے دس میل کے فاصلہ پر ہے) جنازہ پڑھنے پیدل چل کر گیا۔ اور راستے میں جوتی ٹوٹ گئی۔ اور پھر جب حافظ نور صاحب نے حضور قبلہ عالم کی خدمت میں پہنچ کر اپنی غربت کے بارے میں عرض کیا اور دعا کرائی تو آپ نے دعا بھی فرمائی اور ساتھ ہی فرمایا کہ حافظ صاحب دکان کھولو۔ اور لاکھ پتی بھی ہو جاؤ تو دکان نہ چھوڑنا۔ چنانچہ حافظ صاحب نے دکان کھول دی اور اب ان کے لڑکوں کی کئی دکانیں اور کئی کنوئیں اور کافی جائیداد ہے۔ اور دولت کی بہتات اور ریل پیل ہے۔ لوگ ان کے مقروض ہیں۔

مؤلف ناچیز نے جہلم میں رہ کر خود ان کی دکانیں دیکھی ہیں۔ اب یہ لوگ کافی امیر ہیں۔ یہ سب حضرت صاحب کی توجہ اور دعا کا اثر ہے۔

کرامت (۳) :۔ ایک بڑا رئیس آدمی حضور غریب نواز کا کہیں مرید ہو گیا۔ مگر پھر کبھی آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہوا۔ ایک دفعہ ریل کے سفر سے کہیں جا رہا تھا۔ کہ اچانک اس کی ملاقات ایک پرانی آشنا انگریز مس سے اسٹیشن پر ہو گئی۔ رئیس مذکور نے

ٹرین کی بوگی ہی بک کروالی۔ تاکہ صرف وہ دونوں ہی تنہائی وخلوت میں سفر کریں۔ وہ لیڈی کپڑا تان کر اُسی کمرے میں لیٹ گئی۔ اور جب گاڑی اسٹیشن سے چل پڑی اور وہ رئیس تو اسی موقعہ کی تاک میں تھا۔ اس نے اُس لیڈی کے منہ سے کپڑا اٹھایا تاکہ اس سے اپنی حاجت برآری کرے۔ مگر دیکھتا کیا ہے۔ کہ وہاں بجائے اس کے حضرت صاحب آدان شریف لیٹے ہوئے ہیں۔ آپ کو دیکھ کر بے ساختہ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اور جب گاڑی اگلے سٹیشن پر رکی تو وہ وہیں اتر کر سیدھا آدان شریف پہنچا۔ مگر شرم کی وجہ سے حضور کے سامنے نہ جا سکا۔ اور آپ کو جھانک جھانک کر دیکھنے لگا۔ مگر جب حضور کی نگاہ اس پر پڑ گئی تو فرمایا "دُر کتی دیا۔ انج تے نہیں کریدا نا" یعنی دور ہو کتیا کے بچے ایسا تو نہیں کرنا چاہیئے نا۔" بس پھر کیا تھا جا قدموں پر گرا اور معافی مانگنے لگا۔ آپ نے آئندہ گناہ سے بچنے کا عہد لے کر معاف کر دیا۔

(۴) حضور غریب نواز کے کشف قبور کا شہرہ سُن کر باہر سے ایک مولوی صاحب آدان شریف آکر حضور سے عرض کرنے لگے۔ کہ حضور سنا ہے کہ اہل قبور سے آپ باتیں کر لیتے ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے۔ فرمایا مولوی صاحب۔ اللہ چاہے تو ایسا ہو سکتا ہے۔ عرض کیا حضور میں بھی اپنی تسلی کے لئے یہ منظر دیکھنا چاہتا ہوں۔ پہلے تو آپ نے اس کو اس خیال سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ مگر جب اس کا اصرار زیادہ ہوا۔ تو آپ نے اس کی دلجوئی کے لئے ایک کاغذ پر سیاہی سے ایک سوال لکھ کر جواب چاہا۔ پھر اس مولوی سے کہا کہ یہ کاغذ موضع مل کے قبرستان میں حضرت پیر لنگر صاحب کے مزار پر ایک طرف رکھ کر خود دوسری طرف بیٹھ جانا۔ اگر صاحب مزار نے میرے سوال کا جواب لکھ دیا تو سمجھ لینا کہ اہل قبور سے اس دنیا میں بھی باتیں ہو سکتی ہیں۔ اور جیسے کہ لکھا جا چکا ہے۔ کہ موضع مل آدان شریف سے ایک میل کے فاصلہ ہے۔ چنانچہ وہ مولوی صاحب پیر لنگر صاحب کے مزار پر پہنچے اور حضور کے سوال والا کاغذ مزار کے ایک طرف رکھ کر خود دوسری طرف بیٹھ گئے۔ بیٹھ تو گئے۔ مگر خیال آیا کہ ایسا نہ ہو کہ کوئی آدمی آکر جواب لکھ جائے۔ چنانچہ بار بار اٹھ کر راستہ بھی دیکھتے رہے۔ اور پھر تھوڑی دیر بعد جب وہ کاغذ دیکھا۔ تو یہ دیکھ کر

مولوی صاحب کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ کہ سوال تو سیاہی سے لکھا ہوا تھا۔ مگر جواب خالص شنگرف سے لکھا ہوا ہے۔ فوراً حضور کی خدمت اقدس میں پہنچ کر قدموں پر گر گئے۔ اور عرض کرنے لگے۔ کہ حضور کشف قبور کا یہ طریقہ مجھے عطا کردو۔

(۵) مستری احمد بخش صاحب رتہ راولپنڈی والے پہلے وہابی تھے۔ اور اولیاء اللہ کی کرامات کے قائل نہ تھے۔ ایک دفعہ لالہ موسیٰ میں انہیں حضرت صاحب کی قدمبوسی نصیب ہوئی۔ اور حضور جب باہر تشریف لے جانے لگے۔ تو وہ بھی ساتھ ہو لئے۔ راستہ میں انگریزوں کا قبرستان آتا تھا۔ وہاں آپ نے ایک قبر کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ شہید کی قبر ہے۔

آپ کے ارشاد کی دو وجہیں ہو سکتیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ جنگ میں دوست دشمن سب ایک جگہ گرتے ہیں۔ لہٰذا ہو سکتا تھا کہ وہ کسی مسلمان کی قبر ہو۔ اور دوسری یہ کہ بعض لوگ عندالناس بظاہر تو کافر ہوتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے علم میں پوشیدہ مسلمان شمار ہوتے ہیں۔ ممکن ہے وہ کوئی ایسا مسلمان ہو۔ مگر مستری صاحب نے اعتراض کر دیا۔ کہ یہ انگریزوں کا قبرستان ہے اور ایک عیسائی کیسے شہید کہلا سکتا ہے۔ جب آپ کے سمع مبارک تک یہ بات پہنچی۔ تو آپ نے فرمایا کہ ایک آدمی اگر کچھ کہے تو اسے سوچ سمجھے بغیر غلامت کہو۔ جب حضور اور سب ہمراہی کچھ اور آگے گئے تو آپ نے ایک رومال مستری صاحب کے سر پر رکھا۔ مستری صاحب نے کہنا شروع کیا کہ کشمیر میں اس وقت یہ ہو رہا ہے۔ اور دو تین باتیں انہوں نے اور بھی کہیں۔ کہ آپ نے ان کے سر سے رومال اٹھا لیا اور فرمایا کہ مستری جی کیا کہہ رہے ہو انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ جس نے آپ کو یہ رتبہ بخشا ہے اسی کی قسم ہے کہ اس وقت میں کشمیر میں تھا۔ اور جو کچھ میں کہہ رہا تھا۔ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

مؤلف ناچیز

چونکہ مستری صاحب رتہ والوں کی قسمت اچھی تھی۔ اور انہوں نے آگے چل کر کچھ بننا تھا۔ اس لئے حضور غریب نواز نے انہیں دکھایا۔ ورنہ یہ اللہ والے ہر ایک کو جا بےجا معترض ہو نہیں دکھایا کرتے۔

مرید زیر تحویل

چوہدری الہ دین صاحب فرماتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ میرے بھتیجوں پر ایک مقدمہ دائر ہو گیا۔ جس سے میں بہت

پریشان تھا۔ فریق ثانی دولت مند اور صاحب اثر تھا۔ میں فکر مند تھا۔ کہ میرے بھتیجوں کا نہ معلوم کیا حال ہوگا۔ مگر آپ کے سامنے کوئی بات زبان سے نکال نہیں سکتا تھا۔ اور نہ ہی یہ چاہتا تھا۔ کہ اس معاملے کے متعلق کوئی اور ان سے بات کرے یہ نہیں چاہتا تھا۔ کہ آپ کے سامنے ہمارے دنیا کے ایسے جھگڑے آئیں۔ جو آپ کی پریشانیٔ خاطر کا موجب ہوں۔ ایک شب آپ نماز تہجد کے لئے بیدار ہوئے میں سامنے وضو کے لئے پانی لئے بیٹھا تھا۔ آپ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا "یہ قلق کیوں ہے۔ میرے متعلقین کے ہاتھ جو ہونے والا ہوتا ہے۔ اس پر میرے دستخط لے لئے جاتے ہیں۔ جہاں تک ممکن ہو ان کی حمایت کرتا ہوں۔ لیکن جہاں یہ امکان نہیں ہوتا۔ مجبوراً دستخط کر دیتا ہوں۔ کیا تم نے خواجہ سلیمان تونسوی کا حال نہیں سنا۔ کہ ایک بار دہلی کے بادشاہ کی معزولی کے حکم پر انہوں نے چپ چاپ دستخط کر دیئے تھے۔ اسی طرح مجھ سے بھی دستخط لئے جاتے ہیں۔ اور مجھ سے جس قدر ہوتا ہے اپنے عقیدت مندوں کی بھلائی کی کوشش کرتا ہوں۔ تم بے چین نہ ہو۔" خدا کی قدرت کہ یہ فیصلہ میرے بھتیجوں کے حق میں ہوا۔ اور فریق ثانی کی اپیل بھی خارج ہوگئی۔

علم غیب و تصرف

آپ کے مشہور سنگی مولوی نیاز محمد خان صاحب وکیل جالندھر بیان کرتے تھے۔ کہ ایک دفعہ میں غریب نواز سے حسب معمول کل کی واپسی کی اجازت طلب کی جو نہ ملی۔ عرض کیا مؤکل منتظر ہوں گے۔ جن کے مقدمات کی مجھے پیروی کرنا ہے پوچھا کہ کتنے مقدمے ہیں۔ میں نے اپنے خیال میں تعداد گن کر عرض کی اس دن بہرحال اجازت نہ ملی۔ اس سے اگلے دن کی منظوری ہوئی۔ میں جب جالندھر پہنچا تو معلوم ہوا کہ جس گاڑی میں میں پہلے آنا چاہتا تھا۔ امرتسر کے قریب دوسری ٹرین سے ٹکرا گئی۔ عدالتوں میں جا کر پتہ لگا۔ کہ جن مقدمات کی تعداد میں نے غریب نواز کی خدمت میں عرض کی تھی ان سب کی تاریخ ملتوی ہوگئی۔ لیکن ایک مقدمہ جو میری یاد سے رہ گیا تھا اور تھا بھی چھوٹا وہ خارج ہو گیا۔

مؤلف ناچیز حضور قبلہ عالم کی بے شمار کرامتیں ہیں۔ کہاں تک ذکر کرے۔ آپ تو خود مجسم کرامت تھے۔ ۱۳۳۷ھ شعبان المعظم کی پہلی مطابق ۲ مئی ۱۹۱۹ء اور جمعہ کا دن تھا۔ کہ روح مبارک نے قفس عنصری سے اختیار کی۔

تاریخ وصال

قبلہ ما سلطان محمود ۱۳۳۷ھ

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْت ۱۹۱۹ء

حضور کے خلیفہ حضرت ملا نیاز الدین صاحب تیراہی نے غسل دیا اور نماز پڑھائی۔ حضور عزیب نوازؒ کا مزار پرانوار آدان شریف میں مرجع خلائق ہے۔

حضرت شاہ دولہ گجراتی رحمۃ اللہ علیہ

حضور کا انتقال ۱۰۸۵ھ میں ہوا ہے۔ اور مزار مبارک گجرات (مغربی پاکت) میں واقع ہے۔ آپ کے مزار مبارک پر یہ تاریخ لکھی ہے۔

بہ توحید آں عارفِ حق گزیدہ بگوشا ہدولہ بجنت رسیدہ

۱۰۸۵ھ

آپ کا ایک مزار احمد آباد صوبہ گجرات بھارت میں بھی ہے۔ اور اس کی اصل ہی حقیقت ہے۔ جیسے کہ حضرت شرف الدین بو علی شاہ قلندر کا ایک مزار پانی پت میں ہے اور ایک کرنال میں۔ سنا ہے کہ دونوں مقامات۔ بلکہ ایک تیسرا مقام بھی سننے میں آیا ہے۔ یعنی بڈھا کھیڑا، میں حضرت بو علی شاہ قلندر کا انتقال ہوا اور لوگوں نے دیکھا کہ بیک وقت ان تمام مقامات میں حضرت بو علی شاہ قلندر

انتقال ہوا۔ اور ان ہی کا جنازہ سب مقامات میں پڑھایا گیا۔ اور پھر آپ کو
تمام مقامات میں ایک ہی تاریخ میں سپردِ خاک کیا گیا۔ یا جیسے کہ حضرت
...ر امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا ایک مزار مشہد مقدس نجف اشرف شریف
ہے اور دوسرا افغانستان میں اور یہ دونوں زیارت گاہ خواص و عوام ہیں۔ اور
دونوں مزاروں پر زائرین مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے مزار سمجھ کر حاضری دیتے ہیں۔

حضرت شاہ دولہ علیہ الرحمۃ کے بارے حضور قاضی صاحب غریب نواز آدان
...یف سے ایک روایت بزبانی چوہدری الہ دین صاحب ساکن طاہر ضلع گجرات
...ا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حضرت شاہ دولہ صاحب علیہ الرحمۃ کا نام کبیرالدین
...تھا۔ اور سید تھے۔ آپ بغداد سے تشریف لائے تھے۔ اور جناب بڑے پیر صاحب
...الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے مرید اور وضو کرانے والے تھے۔ ایک مرتبہ کا ذکر
...کہ حضرت شاہ دولہ صاحب نے وضو کراتے وقت جناب بڑے پیر صاحب
...اللہ عنہ سے پوچھا۔ کہ آپ حیات کیا ہے۔ آپ نے فرمایا میرے اس چلو پانی میں
...برس کی عمر ہے۔ حضرت شاہ دولہ صاحب نے لپک کر پانی پی لیا اور قریباً
...برس کی عمر پائی۔ بابا شاہ دولہ صاحب یہ پسند کرتے تھے۔ کہ خلق اللہ کی خدمت
کی جائے۔ بدرو و نالیاں جو عوام کی تکلیف کا باعث ہوتی ہیں صاف
...جائیں۔ کمزوروں اور ضعیفوں کے گھر آٹا پیس کر پہنچایا جائے۔ کسی معذور و مجبور
...کر لکڑیاں کاٹ کر ڈالی جائیں۔ اور کسی کے مویشیوں کے لئے گھاس کھود کر چارہ
...یا جائے۔ آپ بے حد خدا ترس۔ مظلوموں کے ہمدرد۔ خاص کر مجبوروں اور اپاہجوں
...رہ ساز اور مددگار تھے۔ اور جو کام مسلمانوں یا دیگر اقوام کے راحت و آرام
...نا یا صدقہ جاریہ کی قسم سے ہوتا۔ جیسے پُل سرائے وغیرہ آپ تعمیر کراتے اور
...کر دیتے۔

کتاب "حقیقت گلزار صابری" جو ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۰۷ھ مطابق جولائی ۱۸۹۰ء
...کو گنی واقع مصطفیٰ آباد (عرف رامپور (ریاست روہیلکھنڈ بھارت) میں چھپی

تھی۔ مئولفہ جناب محمد حسن صاحب صابری۔ چشتی۔ حنفی قدوسی میں لکھا ہے۔ کہ
بڑے پیر صاحب سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مکتوب نطاب بذکر
الوحدہ، میں لکھتے ہیں۔ کہ بہ ۱۹ ماہ رجب ۵۲۱ھ کو پنجشنبہ کے دن بعد نماز مغر
میں نے سید کبیر الدین شاہ دولہ بن حضرت سید موسیٰ جنگی دوست عموی حقیقی
کو بیعت توبہ سے اپنے ہاتھ پر مشرف کر کے تعلیمات کیفیت باطنی سے بہر
کیا۔ اور ترقی کیفیت باطن میں متوجہ کر دیا۔ اور ۹ ذیقعدہ ۵۴۸ھ کو بروز
رسوموار بعد عصر کے محفل عام میں اپنے ساتھ بٹھا کر بیعت، امامت وارث
سے مشرف کر کے اپنی کلاہ مبارک عطیہ پیر و مرشد عطا فرمائی اور عمامہ سبز اپنے
سے باندھ کر خرقہ پہنایا اور مثالی خلافت بخطاب "قطب الاسرار حبیب" کے اہ
کو سنا کر مرحمت فرمائی۔ اور خود حضرت شاہ دولہ صاحب نے بھی اپنے مکتو
نطاب "تحفۃ الارواح" اسرار غوث اکبر الکبیر میں اپنے بارے یونہی تحریر
مئولف ناچیز
چونکہ حضرت شاہ دولہ صاحب کو بارگاہ غوثیہ
قطب الاسرار حبیب کا لقب ملا تھا۔ واقعی آپ
ذات گرامی اور ہستی مبارک ایک عجیب پر اسرار ہستی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ
بارے روایات بھی مختلف ملتی ہیں۔
آپ کی زندگی کا ایک واقعہ
حضرت والد صاحب سے سنا
کہ حضرت شاہ دولہ علیہ الرحمۃ
دریائے چناب کے کسی نالے پر پل بنوا رہے تھے۔ دن میں جو کام ہوتا رات کو
پراسرار چیز آ کر اس کو گرا جاتی اور درہم برہم کر جاتی۔ حضرت کی خدمت
اس کی اطلاع کی گئی آپ نے فرمایا رات کو پہرہ دو۔ چنانچہ ایک خادم پہرہ پر
ہو گیا۔ قریباً آدھی رات کے وقت کوئی شے آئی اور پل کے بنے ہوئے حصے
گرانے لگی۔ خادم نے روکنا چاہا تو آنیوالے شخص کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔ اس
کے تعمیر شدہ حصے کو گرا کر چلتا بنا۔ دوسرے دن جب حضرت کو اس واقعہ کی اطلاع

فرمایا۔ اچھا آج رات میں خود پہرہ دوں گا۔ چنانچہ حضور خود رات کو پل کا پہرہ دے رہے تھے۔ کہ وہ آنے والا آگیا اور پل کو گرانا چاہا۔ حضرت نے منع فرمایا تو اس نے کہا قریب نہ آنا" مگر آپ نے اس کو پکڑ کر اس کے تمام دانت توڑ ڈالے۔ اور پھر اس کو پکڑ کر لے آئے۔ وہ ایک قوی ہیکل جن تھا۔ جو بعد میں حضرت شاہ دولہ صاحب کا مرید ہوا۔ کہتے ہیں کہ حضرت شاہ دولہ صاحب کے مزار واقع شہر گجرات مغربی پاکستان کے پاس چھوٹے دروازے سے باہر جو مسجد کے کنوئیں کے قریب محلہ بیگم پورہ کی سمت ہے جو مزار ہے یہ اسی جن کا مزار ہے۔ واللہ اعلم بالصواب وعندہٗ حقیقۃ الامور۔

کہتے ہیں کہ حضرت شاہ دولہ صاحب کی قبر مبارک بھی سادہ سی تھی۔ آپ کے مزار پر موجودہ عالی شان عمارت حضرت صاحب آدان شریف نے بنوائی ہے۔ اور غالباً حضور غریب نواز کے مرید و خلیفہ بابا مستری صاحب مرحوم موضع رتہ (راولپنڈی) والوں کی زیر نگرانی تعمیر ہوئی ہے۔

شاہ دولہ صاحب کے چوہے

کہتے ہیں کہ جو ناقص الخلقت بچے آپ کے چوہے مشہور ہیں وہ ان بانجھ عورتوں کے پہلے بچے ہیں۔ جو اولاد کے لئے دعا کرانے آپ کے پاس آتی تھیں۔ اور اچھی ہو کر صاحب اولاد ہوتی تھیں۔ اب بھی جو اس قسم کی منت مانتا ہے۔ اس کے ہاں پہلی اولاد ایسی ہی ہوتی ہے۔ حضرت شاہ دولہ صاحب نے آخری زمانہ میں خاندان سہروردیہ کا فیض حضرت سیدن شاہ صاحب سیالکوٹی سے حاصل کیا اور سنہ مذکور میں انتقال فرمایا۔ ہماری آبائی لائبریری میں حضرت شاہ دولہ صاحب کے حالات میں جو پرانی مطبوعہ کتاب ہے۔ غالباً یہی "حقیقت گلزار صابری" ہے۔ یا کوئی اور کتاب رسالہ ہے فارسی زبان میں اور اس وقت پاس موجود نہیں۔ کیونکہ ناچیز جہلم میں بیٹھا حالات مرتب کر رہا ہے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں وہ کتاب دیکھی تھی۔ حضرت شاہ دولہ صاحب کے حالات میں اس نے لکھا تھا۔ کہ آدھی رات کو بھی حضرت شاہ دولہ صاحب کے گرد لوگوں کا ہجوم مکھیوں کی طرح رہتا تھا۔

حضرت شاہ دولہ صاحب کی زندگی کا ایک اور واقعہ

حضور والد صاحب نے سنایا تھا کہ کوہاٹ کی طرف کے ایک بزرگ بابا دُودا حقّانی حضرت شاہ دولہ کے ہمعصر تھے۔ بابا دودا حقانی اپنے گھر سے پنجاب کے فقیروں کا شکار کرنے کے ارادے سے نکلے۔ آپ شیر پر سوار تھے اور آپ کے ہاتھ میں اژدہا کا کوڑا تھا۔ جہاں جاتے بستی والے فقیر سے اپنے شیر کے لئے گائے اور اژدہے کے لئے مرغی کا مطالبہ کرتے۔ ہوتے ہوتے جب شہر گجرات پہنچے جو حضرت شاہ دولہ کا مسکن تھا۔ تو حضرت کو کہلا بھیجا کہ میرے شیر کے لئے گائے اور اژدہے کے لئے مرغی بھیج دو۔ آپ نے فرمایا کہ انتظام کر دیا گیا ہے۔ فلاں کمرے میں گائے اور فلاں میں مرغی موجود ہے۔ ان سے کہو کہ رات کو اپنا شیر اور اژدہا ان کمروں میں بھیج دیں۔ چنانچہ دودا حقانی صاحب نے رات کو شیر گائے والے کمرے میں بھیج دیا۔ اور اژدہا مرغی والے کمرے میں چھوڑ دیا۔ اور پھر صبح دیکھا تو شیر کو گائے اور اژدہے کو مرغی کھا چکی تھی۔ یعنی وہ دونوں غائب تھے اور گائے اور مرغی موجود تھیں۔ یہ دیکھ کر دودا حقانی کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ کیونکہ وہ تو پنجاب کے اولیاء کو فتح کرنے نکلے تھے۔ آخر حضرت شاہ دولہ صاحب کی خدمت میں معذرت کرنے اور معافی مانگنے پہنچے۔ آپ نے فرمایا تمہاری موت کا وقت آ پہنچا ہے اب جلدی سے اپنے گھر پہنچ کر مرو۔ چنانچہ دودا حقانی صاحب گھر پہنچے تو انتقال ہو گیا۔

ایک اور واقعہ

حضرت والد صاحب (جو کہ آدان شریف کے حضرت صاحب اور شاہ دولہ صاحب کے شیدائی تھے) نے ایک دفعہ سنایا کہ حضرت شاہ دولہ صاحب کی خدمت میں اس وقت کے کوئی عالم یا پیر باہر سے حاضر ہو کر کہنے لگے کہ حضرت حج کرنے جانا چاہیئے۔ اور پھر لگے حج کے فضائل بیان کرنے۔ حضرت شاہ دولہ صاحب یہ سب کچھ سنتے رہے۔ اور وہ عالم

جب اپنے بیان کے بعد خاموش ہوئے۔ تو حضرت شاہ دولہ صاحب نے اپنا عصا تھاما گدڑی اٹھائی اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور فرمایا چلو مولوی صاحب حج کرنے چلیں عرض کیا حضور ابھی تو میں نے تیاری نہیں کی۔ گھر میں کسی کو نہیں بتایا۔ فرمایا مولوی صاحب باتیں تو اتنی کر رہے تھے۔ اور اب سوچ میں پڑ گئے ہو۔ بھلا فقیر کو ان تیاریوں سے کیا تعلق ہے۔

حضرت شاہ دولہ صاحب کو دریائی بھی کہا جاتا ہے اور اس کی وجہ حضرت والد صاحب نے یہ بتائی تھی کہ چونکہ حضرت شاہ دولہ صاحب بارہ یا چودہ سال دریائے چناب کے اندر رہے تھے۔ اس لئے آپ کو دریائی کہا جاتا ہے۔ (انتہیٰ)

حضرت غازی عبداللہ صاحب المعروف بہ پیرے شاہ غازی

دمڑی والی سرکار

حضرت اسد العساکر و المغازی شیر خدا پیرے شاہ غازی عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ حافظ محمد حفیظ کے دوسرے فرزند تھے۔ اور حافظ محمد حفیظ صاحب حضرت قاضی غریب نواز آدان شریف کے لکڑ دادا یعنی حضور غریب نواز کے پڑدادا غلام محمد صاحب کے والد ماجد حافظ محمد محفوظ صاحب کے بھائی تھے۔ اور یوں حضرت بابا پیرے شاہ غازی قلندر دمڑی والی سرکار (کھڑی شریف) کو حضرت قاضی صاحب غریب نواز آدان شریف) کا جد امجد لکھا جاتا ہے۔ شجرہ نسب سے یہ بات واضح ہے۔ حضرت صاحب آدان شریف کا شجرہ نسب کتاب مقامات محمود کے شروع میں لکھا ہے۔

حضرت بابا پیرے شاہ غازی قلندر کھڑی شریف والے موضع کھٹہ موسی میں پیدا ہوئے اور ایک عرصہ تک یہیں رہے۔ حضرت صاحب آدان شریف قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ کہ حضور غازی قلندر موصوف بجائے اوج کبریا و شہباز سمار اعلیٰ تھے۔ آپ کے وجود مبارک سے دودمانِ عالی کے تمام نخل و درخت میوہ دار اور سب خار زار گلزار

ہو گئے۔ آپ کی تمام عمر مجاہدات شاقہ میں گذری اور افضال الٰہی سے صاحب عطائے
بیکراں اور مہر سپہر لامکاں ہوئے۔ جب آپ پیدا ہوئے تو آپ کے جد امجد حافظ
محمد جمیل صاحب بقید حیات تھے۔ انہوں نے آپ کے سیمائے سعادت کو دیکھ کر آپ
کی والدہ ماجدہ سے فرمایا۔ "اے بی بی یہ تمہارا مہجان عزیز ایک صاحب سلاح
و مرد جنگی ہے۔ اس کی تربیت و پرورش کا بہت خیال رکھنا۔ ذرا سا بھی رنج اسے
نہ پہنچے۔ یہ ۱۱۴۲ھ یا اس سے کچھ قبل کا واقعہ ہے۔ بچپن ہی سے آپ پر ایک جذبی کیفیت
غالب تھی۔ ایام صبا کا ذکر ہے۔ کہ ایک روز ایک سکھ رئیس لباس فاخرہ پہنے ہوئے
گھوڑے پر سوار کہیں جا رہا تھا۔ راہ میں آپ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے اس کی ریشمی
چادر دیکھ کر فرمایا۔ "یہ سلارا مجھے دے۔" (سلارا کھدی کا بنا ہوا ایک موٹا کپڑا
ہوتا ہے۔ جس میں سیاہ، زرد اور سرخ دھاریاں ہوتی ہیں۔ اور غریب لوگ بالعموم
زیبائش کے لیے استعمال کرتے تھے) اس شخص کو یہ کلمہ حقارت آمیز معلوم ہوا۔
اور ترش رو ہو کر کہا۔ "مسلا نادان" یہ کہہ کر اس نے چھڑی آپ کی پنڈلی پر ماری۔
ابھی وہ چند ہی قدم گیا تھا۔ کہ اس کا گھوڑا گر پڑا۔ اور اس کی پنڈلی دو ٹکڑے
ہو گئی۔ وہ گھوڑے سے اترا اور آپ کو تلاش کرتا پھرا مگر آپ نہ ملے۔ حضرت
قاضی صاحب لاڈان شریف فرماتے ہیں۔ کہ بچپن کے ہی زمانہ میں آپ پر حال اس قدر غالب
تھا۔ کہ تھوڑے بہت یعنی کم و بیش میں امتیاز کم کرتے تھے۔ یعنی اگر والدہ ماجدہ
کو مکان کی مرمت کے لیے کچھ مٹی کی ضرورت ہوتی تو آپ سے کہتیں۔ میاں عبداللہ
تمہاری روٹی کیسے پکیگی۔ ہمارے چولہے ٹوٹ گئے ہیں۔ تو آپ اتنی مٹی لاتے۔ کہ
ڈھیر لگ جاتا اور مکان کی مرمت کے لئے کافی ہوتا۔ پھر آپ اپنی والدہ سے پوچھتے
"ماؤ لبس" یعنی اماں جان یہ مٹی چولہوں کی مرمت کے لئے کافی ہے۔ یا اور لاؤں
والدہ سن کر فرماتیں بس کافی ہے۔ یا اگر روٹیاں پکانے کے لئے ایندھن مطلوب ہوتا
تو والدہ کہتیں میاں عبداللہ گھر میں ایندھن نہیں ہے۔ تمہاری روٹی کس طرح پکیگی
یہ سن کر آپ اتنا ایندھن لاتے جو کئی ایام کے لئے کافی ہوتا۔ اور جب والدہ کہتیں کہ یہ

کافی ہے۔ تو جب کام ختم کرتے آپ کے ایک بڑے بھائی تھے۔ جن کا نام فیض بخش تھا۔ گھر اور باہر کا تمام دنیاوی کاروبار انہیں کے سپرد تھا۔ ایکدن والدہ ماجدہ نے فیض بخش صاحب کے کپڑے دھو کر سوکھنے کو پھیلائے۔ حضرت نے جب دیکھا۔ تو پوچھا یہ کپڑے کس کے ہیں۔ ماں نے کہا تمہارے بڑے بھائی کے۔ یہ سن کر آپ کو جذبہ[1] آیا اور اپنی چادر اتار کر پھاڑنا شروع کیا اور ایک ٹکڑا ایک بہن کی طرف پھینکا اور بقیہ دوسری بہن کی طرف پھینکے۔ ماں کو یہ دیکھ کر غصہ آیا اور کہہ دیا "ہائے میاں عبداللہ تیرا ناس ہو وے" آپ نے جواباً کہا میرا نہیں تیرا ناس ہو اور رشتہ داروں میں سے ایک ایک کا نام لے کر ایک ایک بلا کا نام لیا۔ اور اپنے بڑے بھائی فیض بخش کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ کہ یہ فیجا جسے تو ناز و نعمت سے پال رہی ہے۔ گیارہ زخم کھا کر مرے گا۔ اس گفتگو کے بعد ہی اتفاقاً ایک آندھی آئی اور آپ اس اندھیرے میں کہیں چلے گئے کہتے ہیں کہ آپ پیرو شاہ (گجرات اور آوان شریف کے درمیان ایک بستی ہے) کے نالہ ڈلی پر پہنچے اور وہیں قیام فرمایا۔ وہاں ایک عورت آپ کے کھانے کا اہتمام کرتی تھی اس کے گھر اولاد نہ تھی۔ وہ بار بار عرض کرتی تھی۔ کہ آپ دعا فرمائیں کہ میرے گھر بچہ پیدا ہو۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا شرط یہ ہے کہ اس بچہ کو میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ وہ راضی ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ایک بچہ دیا جس کا نام دین محمد تھا۔ جب وہ بڑا ہوا تو آپ اسے ہمراہ لے گئے۔ اور ادھر ادھر دورہ کرتے کراتے دریائے جہلم کے پاس علاقہ کھڑی ضلع میرپور (آزاد کشمیر) میں سکونت اختیار فرمائی اور وہیں بقیہ عمر گذار دی۔ (مقامات محمود ص ۴۵-۴۶)

حضور کے حالات کے بیان میں حضرت میاں محمد بخش صاحب نے کتاب

---

[1] غلبہ حال وہ کیفیت ہے جس میں کسی کو اپنی طرف یا مخلوق کی طرف التفات نہ رہے اور بندہ اپنی صفات سے فانی اور قائم بحق ہو۔ یہ جذبہ کہلاتا ہے۔ اور حال وہ شے ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ کے قلب پر وارد ہوتا ہے۔ مثلاً طرب، قبض و بسط، شوق و ذوق وغیرہ۔

بوستان قلندری میں لکھا ہے۔ کہ جناب پیر پیرے شاہ صاحب غازی قلندر کا سلسلہ مریدی خاندان عالیہ سے اس طرح ملتا ہے۔ کہ آپ سید محمد امیر بالا پیر کے مرید تھے۔ اور وہ فرزند و سجادہ نشین حضرت سید محمد مقیم ساکن حجرہ شریف کے۔ اور وہ خلیفہ و مرید حضرت سخی جمال اللہ حیات المیر زندہ پیر کے اور وہ مرید حضرت قطب الاقطاب، فرد الاحباب مالک رقاب سید السادات، غوث صمدانی۔ محبوب سبحانی۔ جناب شیخ المشائخ پیران پیر غوث الاعظم پیر بغداد کے" اور حضرت غازی قلندر پیر دمڑی والا کو حضرت خضر علیہ السلام سے نسبت باطنی تھی۔ اور ان کی صحبت سے بے شمار فیوضات حاصل کئے چنانچہ ایک روز کنارہ دریا پر بیٹھ کر تلاوت قرآن شریف کر رہے تھے۔ ناگاہ جست لگائی اور نعرہ لگا کر مع قرآن شریف دریا میں غائب ہو گئے۔ متعلقین اور مرید باصفا نے دریا میں غوطہ لگا کر بہت تلاش کیا۔ لیکن در مقصود ہاتھ نہ آیا۔ ناچار بزار حسرت واپس آئے۔ لیکن اس واقعہ کو اسرار باطنی سمجھ کر صبر کیا۔ حضور کے محب لوگوں کو اس مقام سے دلچسپی تھی۔ جہاں پر آپ دریا میں غائب ہوئے تھے۔ قریباً روز مرہ وہاں آمد و رفت رکھتے تھے۔ قریباً بارہ سال کے بعد ایک روز اسی وقت وہی مقام وہی جگہ جس جگہ سے آپ غائب ہوئے تھے۔ اسی وضع سے وہی قرآن شریف ہاتھ میں لئے ہوئے دریا سے برآمد ہوئے۔ جسم مبارک مع قرآن شریف بالکل خشک تھا حاضرین نے آپ کو شناخت کیا اور قدمبوسی کی۔ حاضرین حیران تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اتنا عرصہ ہم خضر علیہ السلام کے مہمان تھے۔ (بوستان قلندری ترجمہ اردو ص ۳۴)

حضور دمڑی والی سرکار کا مقام بہت بلند ہے۔ ناچیز پر جو انکشاف ہوا وہ یہ کہ حضور موصوف دربار غوثیہ میں سیدنا غوث الاعظم کی بارگاہ عالیہ میں دربان مقرر ہیں کہ لوگوں کی عرضیاں آپ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں۔

کتاب بوستان قلندری میں حضرت میاں محمد صاحبؒ نے فرمایا ہے۔ کہ حضرت غازی قلندرؒ کسی بھی وقت جوش قلب اور وجد کی حالت میں بڑے زور سے نعرہ مارتے اور اللہ کا نام لے کر تکبیر کہتے تو اس وقت شیر مثل آپ کی آواز ہوتی۔ ایک مرتبہ موضع دینہ کے

ب بوڑا جنگل (ایک بستی کا نام ہے) کے پہاڑ میں رات کو گشت کرتے ہوئے زور سے
واز بلند پکارا کہ "مارو مارو مت جانے دو" حضرت تو ردئے زمین پر تصرف فرماتے
ہوئے خدا جانے کہاں کی بات کر رہے تھے۔ مگر اتفاق سے چوروں کا ایک گروہ جو کسی
رف سے آرہا تھا۔ آپ کی آواز سن کر ایک طرف سے حملہ آور ہوا اور حضور کے تن اطہر
مجروح کیا۔ صبح لوگوں نے آپ کو اس حالت میں دیکھ کر افسوس کے ساتھ اٹھا کر
بادی میں لائے اور علاج معالجہ کیا۔ اور زخموں کو ٹانکے لگائے۔ مگر جب آپ بدستور
ش قلبی سے نعرہ اللہ اکبر پکارتے تو زخموں کے ٹانکے ٹوٹ جاتے۔ اطراف سے
عقیدت مندوں کا مجمع کثیر آپ کو دیکھنے خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اور سب نے
پ کے پروردہ دین محمد صاحب موصوف کو جو بمقام کھڑی شریف رہائش پذیر تھے
اطلاع دی جو کہ حضور غازی قلندر کے نہایت عزیز و مقرب خلیفہ تھے۔ بابا دین محمد
صاحب کی آمد پر سرکار غازی قلندر نے ان سے فرمایا کہ مجھے تو بوڑا جنگل پسند ہے
مگر تمہاری خوشی دلپسند کو اپنی رضا پر ترجیح دیتا ہوں۔ یاد رکھو اگر بوڑا جنگل میں
مزار ہوگا۔ تو شاہان دہلی اور کابل تمہارے سلام کو حاضر ہوں گے۔ اور تم
کھاؤ گے۔ اور زری بادلا ہنڈاؤ گے۔ جرعہ باز اڑاؤ گے۔ اور اگر کھڑی چک
میں مزار رکھو گے تو دال روٹی کھاؤ گے۔ کبھی مہمانوں کو سیر کرو گے اور پیٹ بھر کر کھلاؤ
گے۔ اور کبھی پیٹ بھر کر نہ کھلا سکو گے۔ یہ دوہرہ دندہ منافقین کا ہے یہ فقیر کبھی
... رہے گا اور کبھی نہ رہے گا۔ بابا دین محمد صاحب چونکہ تارک الدنیا زاہد و عابد
درویش تھے۔ مال و اسباب دنیوی کی آپ کی نگاہ میں کچھ قدر نہ تھی۔ حضور کے مزار
کے واسطے یہی مقام کھڑی کا پسند کیا۔ جس جگہ آپ کا مزار پُربہار ہے۔ اس سرزمین
میں ایک پُر فضا باغ تھا۔ ہر قسم کے درخت سرسبز یہاں تھے۔ حضور کو بحالت حیات
... لے آئے۔ پھر لیلۃ القدر کی رات کو آپ کا وصال ہوا۔

آپ کی تاریخ وصال میں حضرت میاں صاحب نے بوستان قلندری میں فرمایا

ازاں سال دیرینۂ بے نشاں
خبر جستمے گاہ بگاہ از کساں
دل من بمن گفت برگو کہ آہ
زہے پیر مردان حق پیر شاہ

۱۱۶۳ھ آپ کا سنِ وصال ہے

بوستانِ قلندری" میں حضرت میاں صاحب نے لکھا ہے کہ آپ کو حضرت غوث الاعظم پیر بغداد سے روحانی نسبت تھی۔ براہ کشف دربار غوثیہ سے ارشاد ہوا۔ کہ ایک لاکھ سکہ رائج الوقت عقیدت مند مخلص اطراف شہر اور دیہات سے آپ کے واسطے نذر و نیاز مان کر اس کے ذریعہ خداوند تعالیٰ سے اپنی حاجات طلب کیا کریں گے۔ اور مقصودان کے حاصل ہوں گے۔ عرض کیا مال دنیا سے میرے خلفاء و مریدین عیش پرست ہو کر اصلی مقصود سے برطرف ہو جائیں گے اس سے کم کیا جائے۔ دوبارہ فرمان ہوا کہ سوا لاکھ دمڑی روزمرہ خدا کے نام پر آپ کے مخلص نیاز و نذر دیں گے۔ جس کا ثواب تا قیامت آپ کی روح کو ملتا رہے گا۔

حضرت میاں محمد بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کھڑی شریف

حضرت میاں صاحب کا شجرہ نسب یہ ہے۔

حضرت خواجہ دین محمد صاحب۔ مرید و خلیفہ شیر بیشۂ ولایت بابا پیرے شاہ غازی۔ ان کے صاحبزادہ حضرت میاں جیون ولی۔ اور ان کے صاحبزادہ حضرت میاں شمس الدین اور میاں شمس الدین کے تین فرزند تھے۔ بڑے میاں بہاول بخش درمیانے حضرت میاں محمد بخش مصنف سیف الملوک اور صاحبزادہ خورد میاں علی بخش صاحب۔

حضرت میاں محمد بخش کا سن پیدائش ۱۲۴۲ھ مطابق ۱۸۲۶ء ہے۔ آپ نے عرصہ دراز تک ریاضت و عبادت فرمائی ہے۔ اور بابا پیرے شاہ غازی قلندر کے مزار اقدس پر اپنی ڈاڑھی مبارک سے جھاڑو دیتے رہے ہیں۔ اور تمام عمر حضرت موصوف کے مزار کی طرف پشت نہیں کی۔ سنا ہے کہ حضرت قاضی صاحب آوان شریف کی خدمت

جب تشریف لے جاتے تھے۔ تو تین میل جاتے جوتیاں اتار لیتے تھے۔ اور پھر
پر تین میل تک آ دان شریف کی بستی کی طرف پیٹھ نہیں کرتے تھے۔ حضور قاضی
صاحب غریب نواز نے آپ کے بارے میں فرمایا تھا کہ ادب کی حد میاں صاحب پر
ختم ہو گئی ہے۔ آپ وقت کے ابدال تھے۔ آپ کے مفصل حالات سیف الملوک کے
ذیل یا آخر میں دیئے گئے ہیں۔ آپ پندرہ ۱۵ کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ نے تمام عمر
شادی نہیں کی۔ آپ کی تاریخ وصال سات ماہ ذوالحج ۱۳۲۴ھ مطابق ۱۹۰۷ء اور
شمسی تاریخ دس ماہ مانگھ ہے۔ اسی تاریخ کو حضرت کا عرس مزار مبارک پر
کھڑی شریف میں ہر سال منعقد ہوتا ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ شامل ہوتے
ہیں۔

اور حضرت بابا پیرے شاہ غازی قلندر کا عرس مبارک ہر سال چودھویں اور
پندرھویں ماہ شعبان المعظم یعنی شب برات کو کھڑی شریف میں ہوتا ہے۔ مشہور
ہے کہ یہی آپ کی تاریخ وصال ہے۔ اور وہ جو حضرت میاں صاحب نے بوستانِ قلندری
میں آپ کی تاریخ وصال لیلۃ القدر لکھی ہے۔ ممکن ہے کہ اس سے یہی شب قدر
یعنی شب برات مراد ہو۔ کیونکہ شب قدر اور لیلۃ القدر کے معنی ایک ہی ہیں۔ شب
فارسی میں اور لیلہ عربی میں رات ہی کو کہتے ہیں۔ حضرت بابا پیرے شاہ غازی کا
مزار کھڑی شریف میں قضائے حاجات کے لئے اکسیر ہے۔

حضرت صاحب سوات علیہ الرحمۃ۔ اور حضرت بابا پیرے شاہ غازی رحمۃ
اللہ علیہ۔ اور حضرت شاہ دولہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت قاضی صاحب
غریب نواز آ دان شریف رحمۃ اللہ علیہ کے مشائخ میں سے تھے۔ اور یوں بواسطہ
حضرت غریب نواز کے ہمارے والد ماجد صاحب کے بھی مشائخ ہوتے ہیں۔ اس لئے
ان کا تذکرہ اس کتاب میں کہ جس میں اصل تذکرہ اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ
کا مقصود ہے۔ بسلسلہ مشائخ ان بزرگوں کا تذکرہ بھی ضروری تھا۔ اس لئے
یہ ذکر خیر ان بزرگوں کا آ گیا۔

حضرت قاضی صاحب غریب نواز آوان شریف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلفاءِ عظام

خلفاء میں سے حضرت صاحبزادہ محبوب عالم صاحب مدظلہ العالی کا اسم گرامی سر فہرست ہے۔ ان کے علم و فضل و فقر کے سامنے بڑے بڑے علماء اور فقراء کے سر جھکتے ہیں۔ آپ کی طبیعت کا استغناء بہت مشہور ہے۔ سنگیوں نے بالاتفاق ان کو سجادہ نشین مقرر کیا۔ مگر وہ عام دستور کے مطابق نہ سجادہ بچھا کر کبھی بیٹھے ہیں۔ نہ خلیفہ یا سجادہ نشین کہلانا پسند کرتے ہیں۔ کوئی اپنے عقیدہ میں ان کو حضرت قاضی صاحب کا عین سمجھتا ہے تو سمجھتا رہے۔ ان کے نزدیک ایسی مصطلحات قابل التفات ہی نہیں۔ اور کوئی جوارح سے خاص نیازمندی کی حرکات دکھائے تو ڈانٹ دیتے ہیں۔ وہ یہی پرچار کرتے رہتے ہیں کہ جیسا میں سنگی ویسے اور سب ہیں حضور قبلہ عالم غریب نواز کے دربار میں میرے تعلقات و حقوق کسی سے زیادہ نہیں۔ یہ آپ کی کمال انکساری ہے۔

آپ بہت بڑے عالم، فاضل، مفسر۔ محدث ہیں۔ جب تک نظر صحیح رہی ہمیشہ مطالعہ کتب فرماتے رہے۔ مطالعہ میں اکثر تفسیر و حدیث کی کتابیں رہتی تھیں۔ حضرت والد صاحب قاضی محمد عبد السبحان صاحب فرمایا کرتے تھے۔ کہ حضرت صاحبزادہ صاحب قبلہ علم ظاہری و باطنی دونوں میں بہت بلند مقام رکھتے ہیں۔ مگر حضور صاحبزادہ صاحب نے کبھی اپنے فقر کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔ اور نہ ہی کبھی فقیری کی بات آپ کی زبان مبارک پر آئی۔ حضرت قاضی صاحب کے خلیفہ قبلہ عالم حضور سائیں چپ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضور صاحبزادہ صاحب قبلہ کے متعلق جناب غلام سرور خان آف کھلا سے فرمایا تھا۔ "بھائی سرور خانا اگر تم حضور صاحبزادہ صاحب کو اس علاقہ میں لے آؤ تو لاکھوں روحوں کو فائدہ پہنچ جائے۔" یہ لاکھوں روحوں کو فائدہ پہنچنے کی بات

بی خصوصی توجہ سے سمجھنے کے لائق ہے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب کی علمی گفتگو بہت
گہری ہوتی ہے۔ ایک دفعہ فقیر ناچیز ابوالفتح غلام محمود مؤلف حالات کی موجودگی میں جہلم شریف
گجرات میں اپنی قیام گاہ پر فرمایا کہ " ما خلقتُ الجنَّ والانسَ الا لیعبدون۔ آلایہ
کا مشہور ترجمہ یہ کیا جاتا ہے۔ کہ نہیں پیدا کیا ہم نے جنوں اور انسانوں کو مگر اس لئے
کہ وہ عبادت کریں۔ مگر میرے نزدیک ترجمہ یہ ہے کہ " نہیں پیدا کیا ہم نے جنوں اور
انسانوں کو مگر تاکہ وہ عبد یعنی بندہ بن کر رہیں " (فرمایا) انسان اگر یہ سمجھے کہ میں اللہ کا
بندہ ہوں میرا آقا و مولیٰ وہی ہے۔ تو پھر مسجد میں ہو یا بازار میں دکان پر بیٹھا ہو یا دفتر میں
عدالت کی کرسی پر ہو یا عدالت کے صحن میں۔ خلوت میں ہو یا جلوت میں۔ وہ چونکہ بہرحال
اللہ کا بندہ ہے۔ لہٰذا اس نے ہر وقت و حالت میں بندگی و عبودیت ہی کا اظہار کرنا ہے
اور کسی طرح اور کسی وقت بھی وہ اپنے آقا کے حکم سے سرتابی کا مجاز نہیں ہے۔ انتہیٰ غرضیکہ
حضور صاحبزادہ صاحب کی باتیں علمی جواہر پارے ہوتے ہیں جو اس قابل ہوتے ہیں۔ کہ ان
کو جمع کیا جائے اور قلمبند کیا جائے۔ تاکہ ایک جہان ان سے مستفید ہو۔ مگر افسوس کہ ایسا
نہ ہو سکا۔

حضور طبیعت کے بہت غیور واقع ہوئے ہیں۔ کسی کے مکان پر خواہ وہ سنگی ہی کیوں
نہ ہو جانا پسند نہیں کرتے۔ اور ویسے حضور قبلہ عالم غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے
سنگیوں کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ یہ ناچیز (مؤلف ابوالفتح) جب کبھی آپ کی خدمت میں
حاضر ہوا بہت التفات اور ملاطفت سے پیش آتے ہیں۔ اور خصوصی کرم فرماتے ہیں۔ حضور
والد صاحب قاضی محمد عبدالسبحان رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد جب آپ کی خدمت
میں حاضری ہو تو فرمایا کرتے ہیں۔ بھائی تم قاضی عبدالسبحان کے بیٹے ہو۔ مجھے بہت
پیارے لگتے ہو۔ قاضی عبدالسبحان بہت خاص سنگیوں میں سے تھے۔

حضرت صاحبزادہ صاحب کا اسم گرامی محبوب عالم ہے۔ آپ کے والد صاحب
کا اسم گرامی میاں محمد مسعود تھا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب محبوب عالم حضرت قاضی
صاحب غریب نواز کے حقیقی بھتیجے ہیں۔ آپ کی پیدائش ۱۳۰۹ھ میں بمقام آدان شریف

ہوئی۔ آپ ابھی شیر خوار ہی تھے کہ والدہ کا سایہ اٹھ گیا۔ اس لئے آپ کی پرورش عزیب نواز کی اہلیہ محترمہ کے سایۂ عاطفت میں ہوئی۔ چونکہ میاں صاحب موصوف نے دوسری شادی کر لی تھی۔ اس لئے لازماً حضرت کی توجہ مبارک آپ کے لئے مخصوص ہو گئی۔ اور حضرت صاحب نے آپ کی تعلیم و تربیت اپنا ہی بیٹا بنا کر کی۔ حضرت صاحب نے آپ کو خود بھی پڑھایا۔ اور آپ کی تعلیم کے لئے بہترین اساتذہ بھی رکھے۔ مثلاً مولوی عبدالرحمٰن صاحب لبنڈی سرمال۔ حضور صاحبزادہ صاحب پہلے ہر سال ۱۶ ماہ بیساکھ کو آدان شریف میں حضرت قاضی صاحب عزیب نواز کا عرس منعقد کیا کرتے تھے۔ جس میں شمولیت کے لئے دور دراز سے سنگی جمع ہوا کرتے تھے۔ یہ ناچیز (مؤلف ابوالفتح غلام محمود) بھی اپنے والد صاحب کے ہمراہ ہزارہ سے آدان شریف عرس کے موقعہ پر حاضری دیتا رہا ہے۔ یہ عرس مبارک کئی سال جاری رہا۔ آخر حضرت صاحبزادہ صاحب نے اس خیال سے بند کر دیا۔ کہ یہاں عرس کے موقعہ پر ایسی نئی نئی جوان عورتیں آتی ہیں۔ جن کا حضور قاضی صاحب عزیب نواز کے ساتھ تعلق مریدی نہیں ہے۔ اور پھر آدان شریف کے اندر بے پردہ ادھر ادھر گھومتی پھرتی ہیں۔ اور یہ صورت حال میرے لئے ناقابل برداشت ہے۔

سبحان اللہ! ایسے لوگ آج بھی موجود ہیں۔ جن لوگوں کے ہجوم و اجتماع اور اپنی شیرینی و شکرانے کی کثرت سے کوئی غرض نہیں۔ وہ تو صرف اتباع شرع کا مظاہرہ دیکھنے کے متمنی ہیں۔ میرے خیال میں آج کل کی اس دنیا میں حضور صاحبزادہ صاحب کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے۔ حضور صاحبزادہ صاحب خود کامل طور پر متبع شرع شریف ہیں۔ آپ ۱۹۶۷ء میں حج بیت اللہ شریف اور زیارت روضہ نبوی سے اس طرح بہرہ ور ہوئے۔ کہ جاتے آتے متوسلین و متعلقین کو اطلاع نہیں دی۔ آپ شہرت کو ہرگز پسند نہیں کرتے۔

آپ کی عمر شریف (جو پورے طور پر اتباع شرع میں گذری ہے) ۸۰ سال سے متجاوز ہے۔ اب آنکھوں کی بینائی بھی بہت ہی کمزور ہو گئی ہے۔ پھر بھی نماز فرائض تو فرائض

افل تک کا خاص اہتمام ہوتا ہے۔ اور جو سنگی حاضر در دولت ہوتے ہیں۔ ان کی
جوئی بھی فرماتے ہیں۔ آپ کے صاحبزادہ حضرت مظہر صاحب بہت وسیع اخلاق کے
الک ہیں۔ سنگیوں کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ اور جناب مظہر صاحب کے غالباً تین صاحبزادے
یں جو زیر تعلیم ہیں۔

(۲) حضرت مستری احمد بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مستری احمد بخش صاحب ساکن رتہ امرال مشمولہ راولپنڈی پہلے
لیاء اللہ اور ان کی کرامتوں کے قائل نہ تھے۔ لالہ موسیٰ میں پہلی مرتبہ
حضور قاضی غریب نواز صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قدمبوسی حاصل ہوئی
ر آنکھوں پر سے پردہ اُٹھا تو آپ کے مرید ہوئے اور بڑے مرتبہ پر پہنچے
ن میں عشق الٰہی کی اس قدر گرمی تھی کہ باطنی راز کی بعض باتیں کبھی ظاہر فرما
یا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور غریب نواز سے اس کی شکایت کی تو
پ نے فرمایا کہ "ایسی بات چھپانا چاہو تو عشق کی گرمی سے پھٹ جاؤ گے"
ؤلف حالات کے والد ماجد قدس سرہٗ نے حضرت مستری صاحب کی
دمت میں بہت آتے اور بیٹھتے رہے ہیں آپ بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ
ستری صاحب نے مجلس میں سے ایک لڑکے کو اپنے پاس بلا کر اس
ا پسلی کے اوپر سے قمیص اٹھا کر حاضرین کو ایک جگہ دکھائی جہاں اس کا
وشت اکٹھا تھا اور گرہ کی سی شکل پیدا ہو گئی تھی۔ پھر فرمایا کہ اس بچے
ا والد حضرت بابا قاسم صاحب موہڑہ شریف کا مرید تھا۔ اور اس کے
ال کوئی بچہ نہ تھا۔ ایک دفعہ مجھ سے اس بارے دعا کی درخواست کی
ر پھر میں نے خود حضرت صاحب موہڑہ شریف کے کہنے پر اس کو بیٹا دیا۔
ر پھر یہ ماں کے پیٹ میں گر چلا تھا۔ مگر میں نے دوڑ کر اس کو سنبھالا

اور گرہ لگادی تو یہ وہی گرہ ہے۔

حضور والد صاحب بیان کرتے تھے کہ آپ کئی مرتبہ فرمایا کرتے کہ ابھی ابھی حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کی سبز رنگ کی پالکی یہاں گذری ہے۔

آپ کے دیئے ہوئے تعویذات بہت کامیاب ثابت ہوتے تھے۔ آ... نے بڑی عمر پائی ہے۔ اور ۱۹۳۵ء میں وصال فرمایا ہے۔ حضور سائیں چپ صاحب نے ان کے انتقال پر بہت افسوس فرمایا تھا، آپ کا مزار رتہ راو... میں ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

حضور سائیں چپ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ کا اصلی نام فیروزدین تھا۔ اور عرف پہلے سائیں لبسم اللہ اور بعد میں سائیں چپ تھا۔ آپ کھیری موترتی ضلع کیمبل پور کے رہنے وا... تھے۔ حضور گرداور تھے اور تحصیلداری کے امیدوار تھے۔ کہ سید شر... جاتے ہوئے حضور قاضی صاحب عزیب نواز کا گذر جو اُس طرف سے ہوا تو آپ کی نگاہ جو اُن پر پڑی تو بس کھینچ لیا۔

آپ ہمیشہ خاموش رہتے تھے۔ طبیعت جذب کی طرف مائل تھی۔ طریق... تھا۔ اور اکثر بے خودی سی آپ پر طاری رہتی تھی۔ حضور عزیب نواز... عاشق زار اور بے حد ادب کرنے والے تھے۔ گرمی بدن میں اتنی تھی بوریہ بھگو کر بدن پر لپیٹ لیا کرتے تھے۔ اور نہروں کے اندر بیٹھے... تھے۔ آپ اپنے وقت کے قطب تھے۔ کشف اور صفائی کا یہ عالم تھا کہ... طبق کی کائنات میں ماضی، حال، مستقبل کا کوئی واقعہ بھی آپ کی نظ... اوجھل نہ تھا۔

حضرت والد صاحب اکثر آپ کی خدمت میں رہے۔ اور آپ کو حص...

بے حد عقیدت تھی۔ حضور سائیں چپ صاحب کی خدمت میں پہنچنے
والے لوگوں کی حاجتیں پوری ہو جایا کرتی تھی۔ آپ نے پہلے چھ ماہ تک
حضور غریب نواز کی گھوڑی چرائی۔ پھر آپ کے حکم سے موضع موجکے میں
رہے۔ پھر علاقہ سرگودھا اور آخری عمر کھلابٹ ضلع ہزارہ میں گذاری۔
آپ اپنے وقت کے بہت بڑے متصرف تھے آپ پہلے دور میں صرف نمک
پھر نمک اور لسی نوش فرماتے اور کھلابٹ کے زمانہ میں نمازی کی سیدزادی
کے ناخن پر آٹا گھما کر پکواتے اور پھر اس کے چند لقمے تناول فرمایا کرتے
تھے۔ آپ کے پاس عورتوں کا آنا قطعاً ممنوع تھا۔ آپ حضرت قاضی صاحب
غریب نواز کے بڑے اور محبوب خلیفہ تھے۔ کسی اور مجلس میں انشاء اللہ آپ کے
تفصیل حالات لکھوں گا۔

آپ کا وصال انتقال آج سے تقریباً ۴۵ سال قبل ۱۰ستمبر کو کھلابٹ ہی
ہوا۔ حضرت والد صاحب نے آپ کو غسل دیا اور نماز جنازہ پڑھائی۔
آپ ۔ اپنی وصیت کے مطابق دریائے دوڑ کے کنارے پہاڑی کے
اوپر موضع پنیالہ کے قریب آرام فرمارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے طفیل
ہر غریب کو اپنی رحمت سے نوازے۔

حضور سائیں چپ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عرس مبارک ۱۰ستمبر
ہر سال مزار مبارک پر ہوتا ہے۔

حضرت مُلّا صاحب تیراہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حالات

آپ کا اسم گرامی نیازالدین اور عرف مُلّا تیراہی تھا۔ آپ قوم کے
افغان تھے۔ اور بڑے والے حضرت کے مرید تھے۔ آپ کی خواہش تھی
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جائے۔ اور جب شہرت
سنکر قاضی صاحب غریب نواز آوان شریف کی خدمت اقدس میں پہنچے

تو سلام و مصافحہ سے پہلے آپ کو دیکھتے ہی حجاب اُٹھ گیا۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو گئی۔

آپ بڑے عالم اور صاحب عمل تھے۔ اور صاحب صحو و سکر بزرگ تھے۔ ہمیشہ کوئی نہ کوئی طالب علم ساتھ رہتا تھا۔ آخر عمر میں حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ انور سے مشرف ہوئے۔ آپ حضرت قاضی صاحب عزیب نواز کے بڑے خلیفہ تھے۔

حضرت والد صاحب ان کی خدمت میں بہت رہے ہیں اور حضرت بابا صاحب تیراہی نے اپنی گدڑی مبارکہ آپ کو مرحمت فرمائی تھی۔ جس کو آپ بطور تبرک اپنے پاس رکھا کرتے تھے۔

حضرت بابا صاحب تیراہی پر تین مرتبہ غوثیت پیش کی گئی تھی۔ مگر آپ نے معذرت کے ساتھ واپس کر دی تھی۔

آپ کا وصال حضور سائیں چٹّے صاحب کے چند سال بعد کھلابٹ میں ہوا اور موضع بڈھانہ کے قریب پختہ سڑک سے تھوڑے ہی فاصلہ پر مزار بنا۔ آپ ہی نے حضور قاضی صاحب عزیب نواز آوان شریف کو غسل دیا اور ان کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔

اللہ کی رحمت ہو ان کے طفیل مجھ عزیب و نارسا پر۔ آپ کا عرس مبارک ہر سال مطابق تاریخ وصال ۲ ماہ بھادوں کو مزار پر ہوتا ہے۔

بقیہ
حالاتِ زندگی حضرت مولانا محمد غوث صاحب مرحوم
المعروف بہ بڑے اچی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(۱) کہتے ہیں کہ ایک عورت نے شکایت کی کہ میرا لڑکا مجھے گالی دیتا ہے۔ اور میری نافرمانی پر کمربستہ رہتا ہے۔ میری بات نہیں مانتا۔ حضرت کو یہ بات سن کر بہت غصہ آیا۔ فوری طور پر اس کو بلایا۔ جب وہ حاضر ہوا تو فرمایا او خبیث کیا تو اپنی ماں کو گالی دیتا ہے کیا تو نے اس کے حقوق کو بھلا دیا ہے۔ پھر حضرت نے اپنے ایک خادم سے فرمایا گھڑا پانی کا بھر لاؤ جب وہ لایا گیا تو اسے شخص مذکور کے پیٹ پر بندھوا دیا۔ پھر اس کو فرمایا اب تو چل پھر کر کام کاج بھی کر۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ آدمی اکتا گیا اور حضرت کی منتیں کرنے لگا کہ میں بے حد تنگ ہوں چل پھر نہیں سکتا پھر کبھی والدہ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ تب حضرت نے اسے چھوڑنے کو فرمایا۔

(۲) صاحب موصوف نماز کے وقت جب گھر سے باہر نکلتے تو جتنے بے نماز راستے میں ملتے سب کو بزور مسجد میں ساتھ لے آتے۔ کسی کو انکار کی مجال نہ ہوتی۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو قدرتی رعب و دہشت بخشی تھی۔ کسی کو حضور کے آگے بولنے کی جرات نہ ہوتی جب بے نماز آپ کو نکلتے دیکھتے تو فوری چھپنے کی کوشش کرتے۔

(۳) حضرت مولانا محمد غوث صاحب مرحوم صاف گوئی میں ضرب المثل اور بے مثال تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص کو رمضان شریف میں کھاتے دیکھا تو بے دھڑک فرمایا او بے دین کیوں روزہ کھا رہا ہے۔ وہ کہنے لگا تجھے کیا تکلیف ہوئی کیا روزہ تیرا ہے یا خدا کا یہ اس نے انجان ہونے کی وجہ سے کہا۔ ورنہ جاننے پہچاننے والے حضرت کا بے حد احترام کرتے تھے اور ڈرتے بھی تھے۔

حضرت مرحوم نے فرمایا! خدا کا ہے تب ہی تو میں نے تجھے سختی سے روکا ہے اگر میرا ہوتا تو کوئی بات نہ تھی۔ اس جواب کا اس اجنبی پر کافی اثر ہوا پھر وہ نادم

ہو کر چلا گیا۔ یہ واقعہ مرحوم کے صاف گو اور بردبار ہونے کی نشاندہی کرتا ہے۔

(۴) پڑدادا صاحب مولانا محمد غوث مرحوم سچ کہنے میں بڑے جری تھے۔ اس میں کسی کی طرفداری یا لحاظ نہیں کرتے تھے۔ برسرعام برملا سچی بات کہہ دیتے تھے۔ ہمارے گاؤں (کھلابٹ) کا بڑا رئیس۔ جس کا نام عبداللہ خان تھا۔ یہ حضرت کا بے حد معتقد تھا۔ اپنے محلہ کی مسجد کو چھوڑ کر یہاں اس مسجد میں آکر ہر نماز حضرت کے پیچھے پڑھتا۔ ایک دفعہ ظہر کی نماز پڑھنے آیا تو اس کے وضو کرتے کرتے جماعت کھڑی ہو گئی۔ نماز سے فراغت کے بعد وہ کہنے لگا۔ حضرت جی میں صرف آپ کے پیچھے کتنی تکلیف اٹھا کر نماز پڑھنے آتا ہوں۔ اگر آپ تھوڑی دیر ٹھہر جاتے تو کیا حرج تھا۔ حضرت پڑدادا صاحب نے فرمایا نماز نہ تو تیری ہے اور نہ میری ہے۔ یہ تو خدا کی عبادت ہے۔ اس کی ادائیگی میں کسی کی رعایت نہیں ہو سکتی۔ اگر تو میرے پیچھے نماز پڑھنا چاہتا ہے تو مجھ سے پہلے آیا کر۔ حضرت کے اتنا فرمانے پر وہ بالکل خاموش ہو گیا اس کو یہ جرات نہ ہوئی کہ آگے کوئی بات کرے اور ان سے الجھے۔ باوجودیکہ وہ رئیس بڑا جابری اور بے باک تھا۔ لوگ اس کے سامنے سانس نہیں لیتے تھے۔

(۵) والئ ریاست امب دربند میں یہ اسلامی کمزوری تھی کہ اُس کے نکاح میں پوری درجن عورتیں تھیں۔ ایک دفعہ اس نے ریاست کے کسی ضروری مسئلہ کے حل کے لئے حضرت موصوف کو بلایا۔ وہ ایسا پیچیدہ مسئلہ تھا کہ اس کے حل کی کوئی صورت نہ تھی۔ حضرت جب اس کی قیامگاہ پر تشریف لے گئے۔ تو نواب نے آپ کے کھانے کا انتظام کیا تو آپ نے فرمایا میں تیرے گھر کی کوئی چیز نہیں کھاؤں گا۔ اس نے عرض کی آپ مجھ سے کیوں ناراض ہیں۔ اگر میرے اندر کوئی نقص ہے تو آپ ارشاد فرمائیں تو میں اس کے ازالہ کی کوشش کروں گا حضرت مرحوم نے فرمایا کہ اسلام نے چار تک عورتیں رکھنے کی اجازت دی ہے اور تیرے پاس اسلامی مقررہ تعداد سے زائد عورتیں ہیں۔ اگر ابھی تو چار عورتوں سے زائد عورتوں کو الگ کر دے تو ٹھیک ہے۔ ورنہ میں تجھ پر اسلام کی کھلی مخالفت کا فتویٰ لگا کر جاؤں گا۔ اور لوگوں کو تیری بغاوت شرعیہ سے صاف طور پر آگاہ کر دوں گا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈر اور اس کی

مخالفت سے باز آجا۔ اور ابھی توبہ کر شاید کل تجھے مہلت ہی نہ ملے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تجھ پر انعام کیا ہے۔ اس کا شکریہ ادا کر۔ دنیا کے ساز و سامان پر غرور نہ کر بلکہ اپنی عاقبت کی فکر کر۔ اور قبر کی اندھیری کو یاد کر۔ وہاں اچھے اعمال کے بغیر کوئی کام نہ آئے گا۔ حضرت مرحوم کی اس مؤثر اور دل نشین تقریر نے اس کے دل پر گہرا اثر کیا اور وہ زار و زار رونے لگا۔ پھر اسی وقت گھر چلا گیا اور چار سے زائد عورتوں کو الگ کر دیا پھر آکر حضرت کو اطلاع دی اور اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے معافی مانگنے کی درخواست کی نواب نے جن عورتوں کو الگ کیا تھا۔ حضرت نے اسی وقت ان کا انتظام کیا۔ یہ سب کچھ کر کے پھر کہیں آرام سے بیٹھے۔

پھر دوسرے روز ریاست کے جس کام کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ اس کے حل میں مصروف ہوئے۔ یہ تھی حضرت مرحوم کی دینی خدمت اور اتباعِ شریعت کا جذبہ کہ جس کے اظہار بغیر آپ کو چین نہیں آتا تھا۔

(۶) حضرت پڑدادا مولانا محمد غوث صاحب مرحوم بہت بڑے سرمایہ دار اور دولتمند تھے مگر آپ کو دنیا سے بالکل لگاؤ نہیں تھا۔ بالکل سادہ اور بے تکلف زندگی کو پسند کرتے تھے۔ آپ کے مکان کچے اور سادہ تھے۔ ایک بڑے رئیس کی بیوی کو آپ سے عقیدت تھی۔ ایک دفعہ اس نے بڑی عاجزی سے عرض کی۔ کہ اگر اجازت ہو تو میں اپنے خرچ پر مکان بنوا دوں۔ کیونکہ پرانے اور کچے مکان حضرت کے لائق نہیں۔ اس کے جواب میں فرمایا بیٹی قبر پختہ ہونی چاہیئے۔ قیامت میں حال اچھا ہونا چاہیئے۔ لہذا وہاں کی فکر ضروری ہے۔ میں دنیا میں سادگی پسند کرتا ہوں۔ اور صرف قوت لایموت پر قناعت کرتا ہوں۔ اور اسی کو سعادت سمجھتا ہوں۔

(۷) حضرت مولانا محمد غوث مرحوم ہمیشہ رزق حلال کی تلاش کرتے تھے۔ مشکوک اور مشتبہ روزی کے قریب تک نہ جاتے تھے۔ اسی وجہ سے گاؤں کے رئیسوں اور خانوادوں کے ہدیے اور تحفے لینے سے صاف انکار کر دیتے تھے۔ کئی دفعہ رئیسوں کی لونڈیاں فروٹ کے ٹوکرے حضرت کی چوری سے گھر دے جاتیں۔ جب آپ کو علم ہو جاتا تو اسی وقت

واپس کر دیتے اور فرماتے کہ میں ان لوگوں کی چیزیں نہیں لیتا۔

(۸) حضرت مرحوم کے درس میں بے شمار طلبہ ہوتے تھے۔ یہاں تک سنا گیا کہ جنات بھی آپ کے حلقۂ درس میں شریک ہوتے تھے۔ کہتے ہیں ایک دفعہ زمیندار آپ کی گندم صاف کر رہے تھے۔ کہ آپ کے درس میں پڑھنے والے ایک طالب علم جن نے لوگوں کی بے شمار گندم اِدھر اُدھر سے لاکر حضرت کی گندم میں ملا دی کہ جس کی وجہ سے گندم کا ایک بہت بڑا ڈھیر ہو گیا۔ کئی روز گندم گھر لانے پر لگ گئے۔ جب آپ کو شبہ پیدا ہوا تو اس جن کو بلا کر حقیقت حال دریافت کی۔ اس نے بتا دیا کہ میں نے ایسا کیا ہے۔ فرمایا تو نے ایسا کیوں کیا۔ اس نے کہا کہ میں نے چاہا کہ آپ کی گندم زیادہ ہو تا کہ آپ خوش ہوں۔ فرمایا تو نے میری حلال روزی میں حرام ملایا یہ تو نے میرے ساتھ بہت برا سلوک کیا۔ تجھے یہ حق نہیں تھا۔ لہٰذا میں حکم دیتا ہوں کہ تم نے جہاں سے غلہ لایا وہیں جاکر چھوڑ آؤ۔ چنانچہ وہ اسی وقت تعمیل ارشاد کرتے ہوئے جہاں جہاں سے غلہ لایا تھا وہیں جاکر چھوڑ آیا۔ پھر واپس آکر حضرت کو اطلاع دی کہ میں نے حضور کی مرضی کے مطابق کام کر دیا ہے۔ پھر آپ نے اس کو فرمایا چونکہ تو نے بہت ہی برا کام کیا تھا۔ جو شاگرد ہوتے ہوئے تیرے لائق نہ تھا۔ لہٰذا تو اُسی وقت یہاں سے چلا جا۔ اس نے بہت منت سماجت کی کہ میں پھر ایسا نہیں کروں گا۔ مجھے اپنے درس سے نہ نکالیں۔ لیکن حضرت نے اس کو نکال دیا۔

(۹) حضرت پڑدادا مولانا محمد غوث صاحب مرحوم مذہباً پکے سُنّی حنفی تھے۔ طریقہ اہل سنت کے بڑی سختی سے پابند تھے۔ بد عقیدہ لوگوں سے گریز کرتے تھے۔ وہابیوں سے آپ کو بڑی نفرت تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ ہمارے زمانہ کے خارجی ہیں اور حدیث میں خارجیوں کو ھُمْ کِلَابُ النَّارِ فرمایا گیا ہے۔ آپ مولوی اسماعیل دہلوی کی رسوائے زمانہ کتاب تقویۃ الایمان کو تخریب الایمان و توہین الایمان کہا کرتے تھے۔

حضرت نے فارسی زبان میں اس کا نہایت نفیس رد لکھا ہے جو ہمارے کتب خانہ میں موجود ہے۔

(۱۰) حضرت مولانا محمد غوث صاحب مرحوم مستورات کو باپردہ رکھنے میں بے حد محتاط
ے۔ عورتیں رات کو آیا جایا کرتی تھیں۔ محرم رشتہ دار کے بغیر کسی دوسرے کو گھر نہیں
نے دیتے تھے۔ ذی عقل بچوں کو بھی اندر نہیں جانے دیتے تھے۔ آزاد اور آوارہ
لوں کے اندر جانے پر بھی پابندی تھی۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ کے دروازہ پر ایک
ث (ہیجڑا) آگیا۔ حضرت اس وقت اپنی بیٹھک میں تشریف فرما تھے۔ جب اس ہیجڑے
ے اندر جانے کا ارادہ کیا تو آپ نے اسے اندر جانے سے روک دیا۔ اور فرمایا کہ ایسے
ں کو کا اندر جانا ہرگز روا نہیں۔ سالیوں کا بہنوئیوں سے پردہ تھا۔ ایک بھائی کی
وی کا دوسرے بھائی سے پردہ تھا۔ آپ اپنے دامادوں کو باہر ہی ٹھہراتے تھے۔
ہیں اندر جانے کی اجازت نہ تھی۔ ایک دفعہ آپ کا ایک داماد آیا۔ آپ سے اس کی ملاقات
ی۔ آپ نے اس کو کھانا کھلایا پھر پوچھا ٹھہرو گے یا نہیں اس نے عرض کی کہ میں
اپس جاؤں گا۔ فرمایا اچھا جاؤ۔ آپ اس کو رخصت کر کے اپنے کنوئیں پر چلے گئے۔
پ کے چلے جانے کے بعد وہ پھر کسی کام کے لئے وہیں آکر ٹھہر گیا۔ جب آپ آئے تو اسے
ٹھا دیکھ کر بہت ناراض ہوئے اور فرمایا ابھی چلے جاؤ۔ پھر اسی وقت اس کو رخصت
ر کے نماز کے لئے مسجد میں تشریف لے گئے

(۱۱) ایک مرتبہ ایک غیر مقلد (جو اپنے ملاقاتیوں میں اور حضرت کے ساتھ عقیدت
رکھتا تھا) مسجد میں نماز پڑھنے آیا اور حضرت بھی مسجد میں تشریف فرما تھے۔ جب اس نے
سب مذہب نماز پڑھنی شروع کی اور رفع یدین کرنے لگا تو آپ نے فرمایا نماز میں ہاتھوں
خچر کی دم کی طرح نہ ہلاؤ۔ نماز کے بعد اس نے عرض کی کہ آپ نے رفع یدین کو خچر کی
سے کیوں تشبیہ دی۔ کیا اس کا کوئی ثبوت ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ ابو داؤد شریف
آتا ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا ہوا کہ میں تمہیں خچر کی دم کی طرح ہاتھ
تے دیکھ رہا ہوں۔ حضرت کی یہ بات سن کر وہ خاموش ہو گیا۔ اور شرمندگی کے ساتھ
اپس چلا گیا۔ یہ بھی بعض لوگوں کی زبانی سنا گیا ہے۔ کہ حضرت نے اس کو مسجد سے نکال
علاوہ بہت ذلت کے ساتھ مسجد سے نکالا گیا۔ یہ حضرت مرحوم کے

استقامت علی المذہب کی دلیل ہے۔ کہ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مذہبی امور میں آپ کس قدر سخت تھے۔ اور بلا جھجک حق بات کہہ دیتے تھے۔

(۱۲) جس زمانہ میں حضرت پڑدادا صاحب مولانا محمد غوث المعروف بہ بڑے اجی ریاست بھوپال کے قاضی القضاۃ (چیف جج) تھے اسی زمانہ میں آپ نے والئی ریاست کی لڑکی سے شادی کر لی تھی۔ کہ جس کا اسی ہزار روپیہ مہر مقرر ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ آپ کی اس سے ایک لڑکی بھی پیدا ہوئی تھی۔ جو کچھ دنوں کے بعد میں فوت ہو گئی۔ لڑکی کی وفات کے بعد حضرت کا دل اچاٹ ہو گیا۔ پھر شاہانہ شان و شوکت کے باوجود طبیعت اداس رہتی تھی کسی کام پر دل نہیں لگتا تھا۔ ہر وقت پریشان رہتے تھے۔ اسی دوران آپ نے یہ خواب دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ پیغمبری جو دوسرے جوتوں میں مل گئے میری یہ کتنی حیرت انگیز بات ہے۔ آپ جب بیدار ہوئے تو اس کی یہ تعبیر فرمائی کہ ہمارے بزرگ میرے یہاں رہنے پر خوش نہیں وہ مجھے وطن بلانا چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی اسباب وطن کی طرف واپسی کے پیدا ہو گئے۔ جن کی بنا پر حضرت پڑدادا صاحب نے وطن اصلی کا رخ کیا۔

(۱۳) حضرت پڑدادا مولانا محمد غوث صاحب کے زمانہ میں انگریزی راج کی
تھی۔ چونکہ وہ مسلمان قوم پر حکومت کرنا چاہتے تھے اور چونکہ انہوں نے مسلمانوں کی دھاک
بیٹھی ہوئی تھی تو وہ مسلمانوں پر راج کرنے کے لیے وہ راستہ ہموار کرنا چاہتے تھے
کے لئے وہ مسلمانوں کے مذہبی پیشواؤں کو ہر طرح سے قابو کرنے کی فکر میں تھے اور
سلسلہ میں وہ مال و دولت کا لالچ دے کر ان کو قابو کر رہے تھے۔ حضرت مرحوم سے
ایک انگریز نے بڑی کوشش کی یہاں تک کہا کہ حضرت آپ گھوڑے پر سوار ہو کر سارا
گشت کریں شام کے وقت جہاں آپ کا گھوڑا قدم رکھے گا وہاں تک سارا علاقہ
کو بطور جاگیر دے دیا جائے گا آپ اس کے مالک ہوں گے اور لوگ مزارع ہوں گے
بات کو منوانے کے لئے انگریز نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر حضرت نے فرمایا
مجھے کوئی چیز لینا نہیں چاہتا۔ پھر اس نے عرض کی کہ حضرت آپ کو تو بے شک ضرورت
۔ مگر آئندہ نسل کے لئے منظور فرمالیں۔ تاکہ وہ آرام سے زندگی گذاریں۔ فرمایا۔
کی رساں سب کا اللہ تعالیٰ ہے مجھے اس کی کوئی فکر نہیں۔ اور میں کیوں ایسا کام
ں جو میرے لئے باعث عذاب ہو اور ان کے لئے سامان عیش ہو۔ پھر فرمایا چلے
یہاں ایسی باتیں کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ چنانچہ آپ نے اس کو اپنے پاس سے نکال دیا
وہ سمجھ گیا کہ اس مرد آہن پر میرا کوئی داؤ نہیں چل سکتا اور اس کو ہم مال و زر
دے کر نہیں خرید سکتے اور یہ خلاف بھی ہو سکتا ہے۔ کہ کسی وقت اس سے ہمیں
ن پہنچے۔ پھر کچھ ایام گذرنے کے بعد مولوی نے ہمارے حضرت مرحوم کی یہ شکایت کر دی کہ
انگریزی راج کے خلاف ہیں۔ پھر تو حضرت کی مخالفت کا انگریزوں کو پختہ یقین ہو گیا۔ اس ساری داستان
وجود انگریز مذکور نے از خود حضرت مرحوم کی ساری زمین کا مالیہ معاف کر دیا
کے مطابق عمل شروع ہو گیا اور آج تک اس تحریر کے مطابق عمل ہو رہا ہے
یکہ مدت سے انگریزی حکومت ختم ہو گئی ہے۔ موضع جوڑا پنڈ میں آپ کے چچا زاد
رہتے تھے۔ سرکاری کاغذات میں وہ باقی اہل دیہہ کی طرح مزارع درج ہو گئے
حضرت مرحوم کو اس کا علم ہوا۔ تو بہت پریشان ہوئے۔ پھر اس انگریز کو
تیری حکومت میں یہ کیا ہوا ہے کہ میرے بھائی کو مزارع لکھ دیا گیا ہے

فوری طور اس آدمی کے خلاف کارروائی کی جائے جس نے یہ لکھا ہے۔ جب اس انگریز کو یہ علم ہوا۔ تو اس نے آپ کے بھائی صاحب کو مالک برقرار رکھا اور لفظ مزارع مٹا دیا۔ چنانچہ جوڑا اپنڈ میں صرف حضرت مرحوم کے بھائی صاحب مالک تھے۔ باقی تمام لوگ مزارع تھے۔ چنانچہ اس بات کو اس گاؤں کے سارے لوگ جانتے ہیں۔ یہ واقعہ میں نے اپنے چچازاد بھائی مولوی محمد یحییٰ صاحب کی زبانی سنا۔ اور آج تک وہ اس کے معترف ہیں۔

(۱۴) مولانا محمد غوث المعروف بہ بڑے اجی صاحب مرحوم جب ریاست بھوپال سے واپس وطن تشریف لائے اور موضع کھلابٹ میں سکونت اختیار کی تو عرصہ دراز تک اپنے گاؤں میں فی سبیل اللہ درس حدیث دیتے رہے اور دور دراز سے آکر اسلامی طلبہ آپ سے حدیث پڑھتے رہے۔ اور آپ قضاء و افتاء کا عظیم کام بھی سرانجام دیتے رہے اور اس طرح آپ نے خدمت دین سے لوگوں کو فیض پہنچایا اور اور مذہب حق اہل سنت کی پرزور حمایت کی اور ہر باطل مذہب کی سرکوبی کے لئے کمربستہ رہے۔ اور ہزاروں انسانوں نے آپ سے علم دین حاصل کیا۔ اور آپ کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوئے۔ خدمت دین کے ساتھ ساتھ معیشت کے لئے آپ نے پیشہ زراعت اختیار کیا اور اپنی آبائی زمین کے علاوہ مزید زمین خریدی اور اس میں کنوئیں اور باغ کا انتظام کیا اور اپنے وقت کو تین حصوں میں تقسیم کیا (۱) عبادت الٰہی اور ذکر و فکر (۲) درس و تدریس اور قضاء و افتاء (۳) اپنی زمین کی دیکھ بھال۔ یہ آپ کے کام تھے۔ جو حضرت ان کو اپنی آخری زندگی میں خوش اسلوبی کے ساتھ نبھاتے رہے۔

(۱۵) حضرت مولانا محمد غوث صاحب مرحوم کا معمول تھا۔ کہ رات کے آخری حصہ میں اٹھتے۔ پہلے باوضو ہو کر نماز تہجد ادا فرماتے اور اپنے مالک الملک سے راز و نیاز کرتے۔ پھر اس سے فارغ ہو کر کتب دینیہ کا مطالعہ کرتے ایک رات آپ حسب دستور اٹھے اور باہر نکلے تو دیکھا کہ باہر بندھی ہے

خیال آیا شاید غفلت کی وجہ سے گھر والوں میں سے کسی نے اس کو اندر نہیں باندھا جلدی سے اس کو کوٹھڑی میں باندھ دیا پھر اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔ کچھ دیر گذری کہ پھر آپ باہر نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ گائے پھر باہر کھڑی ہے۔ پھر آپ نے اس کو اندر کر دیا اور خود اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ پھر کچھ دیر کے بعد باہر آئے تو دیکھا کہ گائے پھر پہلے کی طرح باہر کھڑی ہے پھر آپ نے اس کو اندر جا کر مضبوط باندھ دیا۔ کچھ حیرت ہوئی لیکن اس طرف دھیان نہ کیا اور اندر جا کر سو گئے۔ سوتے ہی خواب میں آپ کو ایک سفید ریش نورانی بزرگ نظر آئے۔ جو آپ سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے۔ کہ تم ہر بار ہمارے سر پر گائے باندھتے ہو ہم اس کو باہر نکالتے ہیں اور تم پھر اس کو اندر آکر باندھ دیتے ہو۔ یہ کیا بات ہے تمہیں ہماری کوئی پاسداری نہیں۔ جب حضرت نے ان کی بات سنی تو فرمایا تم کون ہو اور تمہارا ڈیرا کہاں ہے تو انہوں نے کہا میرا نام بادا شیث ہے اور میرے ساتھ میری ایک بہن ہے جس کا نام اماں بخشی ہے ہم دونوں شہید ہیں ہمارے شہید ہوئے مدتیں گذر گئیں اور ہمارا ڈیرا (دونوں کی قبریں) تمہاری کوٹھڑی میں ہے۔ پھر انہوں نے باقاعدہ اپنی قبروں کی نشاندہی کی جو اس طرح بزرگوں سے سنی گئی ہے۔ کہ ہمارے گھر میں ایک کوٹھڑی ہے جو اب باورچی خانہ کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ اس کے شمال مشرق والی دیوار کے متصل دو قبروں کے نشان بتائے گئے ہیں۔

پھر آپ نے اُن سے پوچھا کہ اب تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے تو تم خوش ہو جاؤ گے۔ وہ کہنے لگے ایک تو ہماری جائے سکونت کی حد مقرر کر دو جو ہمیشہ صاف ستھری رہے۔ کسی قسم کی گندگی وغیرہ سے اس کو آلودہ نہ کیا جائے۔ شیر خوار بچے اور ناپاک عورتیں وہاں قدم نہ رکھیں ورنہ نقصان ہو گا۔ پاک آدمی پڑھنے پڑھانے کے لئے بیٹھے تو کوئی حرج نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے نام کی فاتحہ دیا کرو۔ حضرت نے فرمایا کس چیز پر فاتحہ دیا کریں۔ وہ کہنے لگے کہ آٹا اور کھانڈ دونوں کو ملا کر پکایا جائے اور یہ شیرہ ہمارے نام پر دیا کرو۔ اس تفصیلی گفتگو کے بعد آپ بیدار ہو گئے۔ پھر آپ نے اس سارے واقعہ سے تمام گھر والوں کو آگاہ کیا اور حسب ارشاد اس جگہ کی حد مقرر کر دی اور اس کو صاف ستھرا رکھنے کا اہتمام کیا۔ اور آٹے اور کھانڈ کے شیرے پر ان کی فاتحہ دی اور گھر کے آدمیوں کو

ہمیشہ کے لئے اس کام کی تاکید کردی۔ چنانچہ آج تک ہمارے گھر میں حضرت کی وصیت کے مطابق اس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اور ان بزرگوں کا خیال رکھا جاتا ہے یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ ہمارے گھر والوں میں یہ دستور ہے کہ اگر کوئی مشکل پیش آئے تو ان بزرگوں کی نیاز مانتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے طفیل اس مشکل کو حل کردیتے ہیں۔ میں نے بارہا گھر والوں کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔ اگر اس جگہ کوئی شرارت کرے تو اس کو نقصان ہوتا ہے۔ ہمارے اس گھر میں کچھ مدت ایک مولوی صاحب رہے۔ اُن مولوی صاحب نے بتایا کہ میں نے رات کو کئی مرتبہ ایک سفید ریش آدمی کو گھر کے صحن میں کھڑے دیکھا۔ پھر وہ مجھ سے پوچھنے لگے کہ وہ کون ہیں پھر میں نے ان کے سامنے سارا واقعہ بیان کیا تو ان کی تسلی ہو گئی۔ اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت پڑدادا صاحب کو بزرگوں کے ساتھ بے حد محبت تھی۔ اور حتی الامکان ان کا قدر و احترام کرتے تھے۔ ہمیشہ اہلِ سنت کے بزرگوں کا یہی طریقہ رہا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔

(۲۶) حضرت پڑدادا مولانا محمد غوث صاحبؒ نے ایک شادی ریاست بھوپال میں والیٔ ریاست کی لڑکی سے کی۔ پھر جب آپ کی طبیعت وہاں اداس ہو گئی۔ اور آپ وطن واپس آ گئے تو اس بیوی کو وہیں چھوڑ آئے۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد اس کو آزاد کر دیا۔ جب آپ وطن واپس آئے تو پہلے یہ ارادہ تھا کہ شادی نہیں کروں گا۔ چنانچہ اسی پروگرام کے مطابق آپ نے کچھ مدت گزاری۔ اور یہاں گاؤں رکھلابٹ اہیں خوانین کے گھروں میں سے ایک بی بی آپ کی ہمشیرہ بنی ہوئی تھی۔ وہی بی بی آپ کے خورد و نوش کا انتظام کرتی تھی۔ اور آپ اس کی ہر جائز بات مانتے تھے۔ پورے طور پر آپ کو اس پر اعتماد تھا۔ جب اسے آپ کے شادی نہ کرنے کا ارادہ معلوم ہوا۔ تو اس نے آپ کو شادی کرنے پر پوری کوشش سے آمادہ کیا۔ چنانچہ آپ اس کی بات پر رضامند ہو گئے۔ پھر اس نے پوری تگ و دو کے بعد موضع ڈھینڈہ سے ایک شریف اور پارسا بی بی کے ساتھ آپ کا عقد کروا دیا۔ پھر اس طرح آپ کے

گھر کی آبادی کی صورت پیدا ہو ئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اُس گھر کو جو برسوں غیر آباد رہا پھر از سرِ نو آباد کیا۔ اور لوگوں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آگے ہر ناممکن کام ممکن ہے۔ وہ جیسے چاہے اور جب چاہے اور جو کچھ چاہے کر سکتا ہے۔ اُس کے ارادہ کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اور اس کا ارادہ اس کے کام پر غالب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمْرِہٖ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ وَیَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ۔ پھر اس بیوی کے ساتھ حضرت مدتوں خوش و خرم رہے۔ اور وہ آپ کے سفرِ زندگی کی بہترین ساتھی ثابت ہوئیں آپ کتنے نہایت خوشگوار ایام اس کے ساتھ گذارے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بیوی سے مندرجہ ذیل اولاد عطا فرمائی۔

دو لڑکے۔ پانچ لڑکیاں۔ آپ کے لڑکوں کے نام یہ ہیں۔ (۱) مولانا محمد مظہر جمیل مرحوم (۲) مولانا محمد خلیل محدث ہزاروی۔ آپ کی لڑکیوں کے نام یہ ہیں (۱) بی بی ماہ جہان بیگم (۲) بی بی شاہ جہان بیگم (۳) بی بی منوّر بیگم (۴) بی بی محمد نشان (۵) بی بی ماہتاب نشان۔ حضرت مرحوم کی ایک لڑکی موضع درویش میں حضرت مولانا فیض عالم رحمۃ اللہ علیہ مصنف وجیز الصراط کے گھر تھی۔ دوسری لڑکی موضع پھیڈیاں میں ایک سیّد صاحب کے گھر تھی۔ جو حضرت شاہ قبول رحمۃ اللہ علیہ پشاوری کی اولادیں سے تھے تیسری موضع موہڑی کے ایک صاحب (جو کہ نمبردار تھے) کے گھر تھی۔ چوتھی لڑکی قدرت اللہ نامی کے گھر تھی۔ یہ حضرت مرحوم کے بھتیجے تھے۔ بے چارے نہایت سادہ اور غریب و نادار تھے۔ حضرت نے بھتیجا سمجھ کر اس کو لڑکی دے دی اور غربت کا کوئی خیال نہ کیا۔ یہ ایک خاص وصف ہے جو ہزاروں انسانوں میں سے اللہ تعالیٰ ایک آدھ کو عطا کرتا ہے۔ اور اسی کا نام جوہرِ نفس یا شرافت نفس ہے۔ پانچویں لڑکی موضع ڈھینڈہ کے مشہور خاندان کے ایک اعلیٰ فرد حضرت مولانا قاضی عبدالقیوم صاحب کے گھر تھی۔ یہ حضرت مرحوم کے سالا کے لڑکے اور بڑے جیّد عالم تھے۔ یہ طب یونانی میں بہت ماہر تھے۔ چنانچہ یہ شاہی معالج مشہور تھے۔ راجہ کشمیر کے دربار

میں ان کو خاص مقام حاصل تھا۔ اور یہی اس کا علاج کرتے تھے۔

شیرِ اسلام۔ علامہ زماں۔ فخرِ دوراں۔ امام معقول حضرت مولانا محمد معصوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

قاضی عبدالغفور صاحب کے ایک اور بھائی تھے۔ جن کا نام مولانا محمد معصوم تھا۔ کہ علوم عقلیہ میں شیخ ارسطو کے مشابہ تھے۔ اور تحقیقِ مسائل میں بہت بلند پایہ رکھتے تھے۔ غوثِ زماں حضرت خواجہ پیر مہر علی صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علماء ہزارہ میں آپ کو مخاطب کرتے تھے۔

کہتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی طرف حضرت گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے در بارہ توحید الٰہی سوالات لکھے تو پہلے وہ سوالات حضرت مولانا محمد معصوم صاحبؒ کی طرف بھیجے۔ بہرحال یہ بہت بلند پایہ عالم تھے۔ ان کا ہمرتبہ اُس وقت کوئی عالم نہ تھا۔

یہ تمام کتب درسیہ دو سال میں پڑھاتے تھے یہ ان کا خاص کمال تھا کہ جس پر متأخرین میں سے ایک بھی نہ پہنچ سکا۔ (میرے حضرت قبلہ والد مرحوم) فرمایا کرتے تھے کہ دارالعلوم دیوبند کا نصابِ تعلیم بارہ سالہ ہے۔ اور میرا نصابِ تعلیم چھ سال۔ اور مولانا محمد معصوم کا نصاب تعلیم دو سال تھا فرمایا اس پر حیرت ہوتی ہے کہ حضرت مولانا اس معاملہ میں سب پر بازی لے گئے۔ اور یہ نہیں کہ جو بارہ سال کے عرصہ میں پڑھتا وہ حضرت مولانا محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے دو سال کی تعلیم کی بہ نسبت زیادہ عالم ہوتا۔ بلکہ مولانا مرحوم سے تعلیم پانے والا بارہ سال تعلیم پانے والے کی بہ نسبت کہیں زیادہ عالم ہوتا تھا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی جانب سے مولوی نورالدین منطقی ابحاث لکھا کرتا تھا۔ اور حضرت قبلہ عالم گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے بسا اوقات حضرت مولانا محمد معصوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ جواب دیا کرتے تھے۔ چنانچہ حیات حضرت مسیح علیہ السلام کے مسئلہ پر جب دونوں طرف سے بحث چل نکلی اور متعلقہ آیت وَمَا قَتَلُوْہُ یَقِیْنًا

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ۔ الآیہ پر بات ہو رہی تھی۔ تو حضرت مولانا محمد معصوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کلمۂ بَلْ پر جو کلام فرمایا وہ آپ کے دست اقدس کا تحریر کردہ اس ناچیز مؤلف حالات ابو الفتح غلام محمود عفی عنہ الودود نے بھی دیکھا ہے حضرت مولانا محمد معصوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس عربی عبارت کی بابت قبلہ ام حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے۔ کہ مولانا کی اس عبارت اور قاضی مبارک کی عبارت میں تحریر کے ڈھنگ کے لحاظ سے کچھ فرق معلوم نہیں ہوتا۔ ناچیز ابو الفتح نے کئی موقعوں پر حضرت والد صاحب کو مولانا محمد معصوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو یاد کرتے اور ان کے وسیع علم کا بہت اچھے الفاظ میں تذکرہ کرتے۔ اور پھر مولانا کی وفات پر سالوں کے بعد افسوس کرتے سنا ہے۔

قارئین کرام! ہمارے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ بلا مبالغہ اپنے وقت کے عبد الحق خیر آبادی بلکہ طرز استدلال اور منطقی و معقولی کلام میں خود قاضی مبارک تھے۔ علوم عقلیہ اور نقلیہ کے بلا شبہ امام تھے۔ اور جب وہ مولانا محمد معصوم کے علم کی وسعت کے قائل تھے۔ تو اس سے مولانا محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کی وسعتِ علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔

یہ بھی حضرت قبلہ کی زبانی سنا کہ کسی نے حضرت مولانا سے عرض کی کہ حضرت اپنے لڑکے کو کیوں نہیں پڑھاتے۔ اس کا وقت ضائع ہو رہا ہے۔ فرمایا ابھی اس کا ذہن کچا ہے۔ جب ذہن پختہ ہو گیا تو پھر تھوڑی مدت میں پڑھ لے گا۔

میں نے حضرت قبلہ سے پوچھا۔ کہ کیا آپ نے مولانا مرحوم کو دیکھا ہے۔ بڑی حسرت سے فرمایا کہ میری قسمت کہاں تھی کہ ان کو دیکھتا۔ اور اگر میں ان کو دیکھتا۔ تو ان پر سوال کرتا۔ پھر انہیں بھی پتہ چلتا کہ کوئی ہے جاننے والا۔

پھر فرمایا جب حضرت مولانا مرحوم کا وصال ہوا۔ تو میں اس وقت بہت چھوٹا تھا۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے۔ کہ میرے والد مرحوم جب حضرت مولانا کے دفن سے فراغت کے بعد واپس گھر لوٹے۔ تو تمام رات روتے رہے۔ اور زبان سے یہ بھی فرماتے تھے۔ کہ آج علم

کے پہاڑ کو زیر خاک کر دیا گیا ہے۔ پھر اسی سوز و گداز میں آپ نے رات گزاری
کئی روز تک مرحوم کی وفات کا آپ پر گہرا اثر رہا۔

حضرت مولانا محمد معصوم اور حضرت مولانا قاضی عبدالقیوم یہ دونوں صاحب حضرت
فقیہ العصر مولانا محمد مظہر جمیل رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد خلیل محدث ہزاروی
مرحوم کے ماموں زاد بھائی تھے۔ مفتی محمد حسن صاحب شیخ الحدیث وسابق مہتمم جامعہ اشرفیہ
لاہور مولانا محمد معصوم کے شاگردوں میں سے تھے۔ اور مولانا خیر محمد صاحب مہتمم وشیخ الحدیث
خیر المدارس ملتان بھی مولانا موصوف کے شاگرد ہیں۔ ان دونوں نے مولانا سے ہندوستان کے
قیام کے دوران پڑھا تھا۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ۔

(۱۷) حضرت پردادا مولانا محمد غوث صاحب مرحوم زندگی کے آخری دنوں میں کمزور ہو
گئے تھے۔ اور بینائی کم ہو گئی تھی۔ مگر اس کے باوجود حضرت کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا
تھا۔ حسب دستور نماز باجماعت مسجد میں جا کر ادا کرتے تھے۔ طلبہ کو بھی باقاعدہ پڑھاتے
تھے۔ الغرض آپنے آخری دم تک اپنے کسی فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں برتی۔ اللہ تعالیٰ
کے فضل وکرم سے اپنے سارے معمولات ادا کرتے رہے۔ یہاں تک کہ قفسِ عنصری سے
آپ کی روح ملاءِ اعلیٰ سے جا ملی۔ اور روح جسمِ خاکی کو اکیلا چھوڑ کر وطن اصلی کو چ
سدھاری۔ اور اس طرح آپ اپنے عزیز واقارب، دوست واحباب اور تلامذہ کے محبوب
حلقہ سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔ چونکہ آپ ملت اسلامیہ کے درخشندہ ستارے بلکہ
یوں کہئے کہ روشن آفتاب تھے اسلئے صدیاں گذر جانے کے باوجود آج ملک میں آپ کا نام روشن
ہے۔ اور آج بھی آپ کے عقیدہ مند اور نام لیوا موجود ہیں۔

الغرض شیخ الاسلام شیر سرحد حضرت مولانا محمد غوث صاحب محدث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ
ظاہری اور باطنی علوم میں کامل اور یگانہ روزگار تھے اور صاحب کشف وکرامات بزرگ تھے
حضرت والد صاحب علامہ قاضی محمد عبدالسبحان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی کا
جب انتقال ہو گیا۔ تو ان کی والدہ ماجدہ کافی پریشان اور غمگین رہنے لگیں۔ حضرت علامہ
قاضی صاحب موصوف ومذکور کے دادا حضرت محمد غوث صاحب نے اپنی بہو سے ان کی

حالت پریشانی دیکھ کر فرمایا۔ بیٹی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ تجھے ایسا بیٹا دے گا۔ جو میرے علم اور میری کتابوں کا وارث ہوگا۔ مگر میں نہ ہوں گا۔ چنانچہ حضور کی یہ پیش گوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی۔ اور حضور والد صاحب واقعی اپنے دادا کے علم و فضل کے کما حقہ، وارث نکلے۔

شیخ الاسلام حضرت محمد غوث صاحب نے ایک سو بیس سال عمر پائی۔ زندگی کے پہلے حصہ میں علم حاصل کیا اور دوسرے حصہ میں ہندوستان میں پڑھایا اور عمر کا آخری حصہ وطن مالوف میں گذارا۔ اور یہیں درس و تدریس فرماتے رہے۔ حضور نے اپنی تمام زندگی اشاعت دین میں گذار دی۔ اور اللہ تعالیٰ کے ذکر و فکر میں زندگی کے ایام بسر کیے۔ بہت کم لوگ ہیں جنہیں اس طرح کی سعادت حاصل ہوتی ہے آپ کا سن پیدائش اور وصال معلوم نہیں ہو سکا۔

بزرگوں کی رسم کے مطابق شہنشاہ داڑی حضرت شاہ شیر محمد صاحب غازی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور قبرستان میں شمال مغرب کی جانب آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔ اَلْمَوْتُ جِسْرٌ کُلُّ نَفْسٍ شَارِبُهَا۔ وَالْقَبْرُ بَابٌ کُلُّ نَفْسٍ دَاخِلُهَا

حالات زندگی پیر طریقت، امام شریعت مجاہد ملت فقیہ العصر مناظر اسلام حضرت مولانا محمد مظہر جمیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ

راوی حضرت دادا صاحب مولانا محمد مظہر جمیل صاحب مرحوم نے اکثر کتابیں اپنے والد صاحب سے پڑھیں اور یہ بھی سنا گیا ہے کہ آپ تحصیل علم کے لئے پنجاب گئے تھے۔ وہاں علم و فقر کے آفتاب حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ آدان شریف کے درس میں پڑھتے رہے۔ کہتے ہیں کہ آپ نے ظاہری اور باطنی علوم کی تکمیل حضور غریب نواز سے کی۔ حضرت صاحب قدس سرہ العزیز کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں۔ آپ کے کمالات کو بیان کرنا کسی انسان کے بس کا روگ نہیں۔ اور آپ کے حالات تحریر کرتے ہوئے قلم لرزتا ہے

بس یوں سمجھیئے کہ وہ علم و عمل کے ناپید اکنار سمندر تھے۔ جس کی موجوں کے کنارے کھڑا ہونیوالا اسکی گہرائی کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ اور جو اس میں گھس گیا پھر اسے باہر آنے کی ہوش نہیں رہتی۔ آپ توحید باری تعالیٰ کی روشن دلیل تھے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم معجزہ تھے۔ اور اسلام کے بلند پایۂ مفکر تھے اور راہ توحید کے بے نظیر غوطہ زن تھے۔ اور عوام کے پیر کامل اور خواص کے لیۓ اکمل رہنما تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی روح پر کروڑ کروڑ رحمتیں نازل فرمائے۔ اور آپ کے کامل وسیلہ سے ہم سب کو دین و دنیا کے مصائب سے محفوظ رکھے۔ آمین

حضرت دادا صاحب مرحوم اسلامی علوم میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ خصوصاً علم فقہ میں بہت ماہر تھے۔ قضاء و افتاء کا کام اپنے زمانہ میں انہی کے سپرد تھا۔ دور دراز سے لوگ فتویٰ پوچھنے آپ کے پاس آتے تھے۔ اسی وجہ سے آپ فقیہہ العصر کے نام سے مشہور تھے۔ وعظ و تقریر اور سخن گوئی میں بھی آپ یکتائے روزگار تھے۔ سینکڑوں کے اجتماع میں آپ وعظ فرماتے تھے اور ساری محفل پر چھا جاتے۔ اور یکساں طور پر سارے لوگ آپ کے وعظ سے متاثر ہوتے تھے۔

حضرت والد صاحب فرمایا کرتے تھے۔ کہ جب آپ وعظ کہنا شروع کرتے تو حاضرین دھاڑیں مار کر روتے اور کسی کو آہ و فریاد ضبط کرنے کی طاقت نہ ہوتی۔ آپ اپنے وعظ میں حسب موقعہ شعر بھی پڑھتے تھے۔ مثنوی مولانا روم اور کلام سعدیؒ اور حافظ شیرازی کو زیادہ تر اپنے وعظ میں بیان کرتے۔ کہ جس سے حاضرین بے قابو ہو جاتے اور آپ کو اللہ تعالےٰ نے حسن آواز سے بھی نوازا تھا۔ جو کہ ایک مقرر کے لیۓ بے حد ضروری ہے آپ فارسی بہت اچھی جانتے تھے۔ غرضیکہ آپ فن گفتگو کے امام تھے۔

(۲) کہتے ہیں کہ خوانین کھلابٹ سے امان خان مرحوم کے ساتھ آپ کی گہری دوستی تھی۔ اور دونوں کی آپس میں بے حد محبت تھی۔ دونوں مل کر کھانا کھاتے۔ ایک وقت خان مرحوم ان کے ہاں سے کھانا کھاتا۔ اور دوسرے وقت یہ خان کے ہاں جا کر کھانا کھاتے اور ان کی وجہ سے خان مرحوم پانچ وقت نماز مسجد میں جا کر پڑھتا اور پھر دونوں دیر تک

ہو گفتگو رہتے۔ چونکہ حضرت آدابِ مجلس اچھی طرح جانتے تھے۔ اس وجہ سے خان مرحوم
ان کو بہت چاہتا تھا۔ ایک دفعہ خان مرحوم نے حضرت دادا صاحب سے کہا کہ سنا ہے
کہ سکندر پور والے مولوی عبداللہ صاحب کا صاحبزادہ مولوی احمد صاحب ہندوستان سے
پڑھ کر آیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ مولوی صاحب کو مبارکباد دینے دونوں جائیں سکندر پور
والے مولوی عبداللہ صاحب دونوں کے مہربان تھے۔ ان کا نام والدین نے باز گلؒ رکھا تھا
مگر ایک دفعہ مولوی صاحب سے حضرت دادا صاحب مرحوم نے فرمایا تھا۔ کہ یہ نام مولویوں
کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا۔ لہذا اس کی جگہ میں آپ کا نام مولوی عبداللہ رکھتا ہوں۔
چنانچہ حضرت کی پسند کی وجہ سے اسی نام کو مقرر کیا گیا۔ اور مولوی صاحب سکندر پور والے
اسی نام سے مشہور ہوئے۔ یہ تھے دونوں بزرگوں کے آپس میں تعلقات۔ دادا صاحب نے
فرمایا کہ ضرور جانا چاہیئے۔ چنانچہ دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کر سکندر پور کی طرف چل پڑے
کہتے ہیں کہ جب دونوں گاؤں کے قریب پہنچے تو کسی نے کہا کہ مولوی احمد صاحب وہ
آرہے ہیں۔ جب دونوں نے دیکھا تو واقعی وہ آرہے تھے۔ خان نے دادا صاحب سے
کہا کہ پہلے ان سے ملاقات کر لینی چاہیئے۔ بہت اچھا ہوا کہ باہر ہی مل گئے۔ چنانچہ دونوں
گھوڑے روک کر وہیں قبرستان کے پاس کھڑے ہو گئے۔ مولوی احمد صاحب کو جب ان کے آنے
کا علم ہوا۔ تو اپنے سادہ پن کی وجہ سے بجائے اس کے کہ ان دونوں سے آکر علیک سلیک
کرتے۔ دوسری طرف سے قبرستان میں چھپ گئے۔ خان ان کی سادگی کو بھانپ گیا۔ حضرت
دادا صاحب سے کہنے لگا۔ کہ یہ نئے عالم ہیں۔ ان کو آدابِ ملاقات کی خبر نہیں۔ دیکھو یہ
بھاگ گئے ہیں۔ القصہ دونوں چارو ناچار سکندر پور حضرت مولانا عبداللہ صاحب کے پاس
پہنچے اور ان سے ملاقات کی۔ وہ بہت خوش ہوئے آپس میں دیر تک مجلس کرتے رہے۔ باتیں
کرتے کرتے خان مرحوم نے مولوی صاحب سے کہا کہ میں ایک عرض کرنا چاہتا ہوں اگر آپ
ناراض نہ ہوں تو کردوں۔ انہوں نے کہا کہ میں ناراض نہیں ہوتا۔ آپ جو بات ہو بیان کریں۔
خان موصوف نے کہا کہ آپ کا صاحبزادہ ہندوستان سے فارغ التحصیل ہو کر آیا۔ ہمیں اس پر
بے حد خوشی ہوئی۔ آپ کو مبارک ہو۔ اور یہ چیز ہم سب کے لئے خوشی کا باعث ہے۔ مگر اس کو

دنیا داری کا پتہ نہیں۔ میل ملاپ کی واقفیت نہیں۔ کچھ مدت آپ اس کو میرے پاس چھوڑیں تاکہ وہ ان باتوں میں بھی طاق ہو جائے۔ اس کے جواب میں مولوی صاحب نے خندہ پیشانی سے فرمایا کہ خان صاحب تم ٹھیک کہتے ہو۔ واقعی ہم لوگوں کو دنیا داری کی واقفیت نہیں ہوتی۔ اور مولوی لوگ ان بکھیڑوں میں نہ پڑنے کی وجہ سے ناواقف ہوتے ہیں۔

(۴۳) دادا صاحب کو پہاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو کہ موضع ڈھینڈہ کے رہنے والے تھے) سے بھی خلافت ملی تھی۔ یہ پہاجی صاحب دادا صاحب کے ماموں تھے اور بہت بلند پایہ بزرگ اور اور صاحب کشف بزرگ تھے۔ کہتے ہیں کہ بے شمار لوگ ان کے پاس آتے تھے۔ ان کی ذات مرجع خلائق تھی۔ ایک دفعہ ایک شخص نے جاتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا کہ میں تب مانوں گا کہ آج جب میں جاؤں تو مجھے حلوا اور پراٹھے کھلائیں۔ کہتے ہیں جب وہ آدمی گیا تو حضرت موصوف اس کے لئے پراٹھے اور حلوہ لائے اور فرمایا کھائیے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس قدر صاحب کرامت بزرگ تھے۔ ان سے دادا صاحب کو خلافت بھی تھی۔ اور چند کلاموں کے پڑھنے کی اجازت بھی تھی۔ کہتے ہیں کہ دادا صاحب کو ہر روز بیس روپے دست غیب سے ملتے تھے۔ اگر کسی روز نہ ملیں تو اس کے عوض دوسرے روز چالیس روپے مل جاتے تھے۔ دادا صاحب مولانا محمد مظہر جمیل صاحب کو حضرت پہاجی صاحب سے قصیدہ بردہ و سورہ یوسف اور چند دیگر کلاموں کی بھی اجازت تھی۔ جو کہ حضرت ان کی اجازت کی وجہ سے پڑھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ جنات بھی آپ کے تابع تھے۔ اور چونکہ آپ ان کو تکلیف نہیں دیتے تھے۔ جس وجہ سے وہ خوش رہتے تھے کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت کو اناروں کی ضرورت پڑی۔ اور انار سوائے کابل قندھار کے کہیں سے نہ ملتے تھے۔ اور وہاں سے انار لانے کا کوئی انتظام نہ تھا کہ جس کی وجہ سے پریشانی ہوئی۔ پھر خیال آیا کہ جنات سے کہنا چاہیئے۔ (عام عاملوں کی طرح حضرت انہیں کچھ نہیں کہتے تھے۔ اور نہ کبھی کوئی چیز مانگتے تھے) اس شدید ضرورت کی وجہ سے جنات سے کہنا پڑا۔ جب ان کو حاضر کیا گیا تو وہ بہت ناراض ہوئے اور کہنے لگے کہ ہماری ہمشیرہ کی برات کوہ قاف جارہی تھی۔ اور ہم بھی ساتھ تھے۔ تو اس دوران آپ نے ہمیں طلب کیا اور ہمیں آنے میں بہت تکلیف ہوئی ہے اور پھر کہنے لگے کہ آپ نے کاہے کے لئے بلایا ہے آپ

نے فرمایا کہ انار ضرورت ہیں۔ کہنے لگے بس اسی کام کے لئے بلایا گیا ہے۔ یہ تو معمولی کام تھا۔ اس کے لئے کیوں اتنی تکلیف دی۔ پھر اسی وقت قندھار چلے گئے اور کچھ دیر بعد اناروں کے دو تین درخت اکھاڑ لائے اور لاکر حضرت کے گھر دھڑام سے دے مارے اور کہنے لگے کہ خوب کھاؤ اور پھر اجازت لے کر چلے گئے۔ لیکن ان کے دل میں غصہ پیدا ہو گیا کہ موقع پاکر انتقام لینا چاہیئے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت دادا صاحب مسجد میں سو رہے تھے کہ جنات جو آ گئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگا۔ کہ میں چھت کا شہتیر اٹھاتا ہوں اور تم مولوی صاحب کو اٹھا کر ان کے سر کو ستون اور شہتیر کے درمیان رکھ دو۔ اس طرح ان کا سر معاذ اللہ کچلا جائے گا۔ یہ باتیں ہی ہو رہی تھیں۔ کہ حضرت بیدار ہو گئے۔ تو بیدار ہونے کی حالت میں کیا دیکھتے ہیں کہ جنات کھڑے ہیں۔ آپ ان کی شرارت کو تاڑ گئے۔ جب پوچھا تو انہوں نے بھی بتا دیا۔ اور کہنے لگے کہ آپ کی زندگی تھی۔ ورنہ ہم تو کام تمام کرنے آئے تھے۔ اور پھر وہ خوشی خوشی رخصت ہو گئے۔ اور ان کے جانے کے بعد حضرت مرحوم کو یہ خیال آیا کہ بھوت کی آشنائی خطرہ کا ان ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ ان کے ساتھ دوستی اچھی نہیں۔ چنانچہ آپ نے اپنے صاحبزادے کو وصیت فرمائی کہ اپنی زندگی میں جنات کو تابو میں کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ یہ کام اچھا نہیں اس میں سراسر خسارہ ہی خسارہ ہے۔

(۴) پھوپھی صاحبہ بیان کرتی ہیں۔ کہ والد صاحب رات کو برآمدہ میں سویا کرتے تھے۔ اور ہر رات ایک آدمی کا کھانا پاس رکھواتے تھے۔ ہم سب کو اس طرح کرنے سے تعجب ہوتا تھا۔ مگر پوچھنے کی جرأت نہ تھی۔ اس راز کو معلوم کرنے کے لئے ایک رات ہم نے جاگنے کا اہتمام کیا۔ جب آدھی رات ہوئی تو گھر کے صحن میں کسی کے داخل ہونے کا احساس ہوا۔ پھر سلام کی آواز آئی۔ حضرت مرحوم اٹھ بیٹھے اور آنے والوں کے سلام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا آج تم بہت دیر سے آئے۔ اس کی کیا وجہ ہوئی۔ وہ غصہ سے بھرے ہوئے لہجہ میں بولے حضرت کیا پوچھتے ہو کہ ہم آپ کے پاس آ رہے تھے کہ ایک ساتھی ہم کو سکندرپور لے گیا وہاں ہم ایک قاضی کے گھر گئے۔ تو وہاں کھانا تیار تھا اور گھر والے کھانا کھانے کا آپس میں کہہ رہے تھے۔ ہم نے سوچا چلو آج یہیں سے کھانا کھا لیتے ہیں۔ یقیناً کوئی اچھی چیز پکائی ہوگی۔ جب کھانا لایا

گیا۔ اور ہم بھی شریک ہو گئے۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ دال ہے۔ ہم سب غصہ سے لال پیلے ہو گئے پھر ہم نے پلیٹ کو پانچ سے زمین پر دے مارا۔ اور قاضی اور اس کی بیوی کو آپس میں لڑا دیا اور جب ان کی جنگ گرم ہوئی تو ہم قہقہے لگاتے ہوئے وہاں سے نکل آئے۔ اس وجہ سے حضرت ہم کو دیر بھی ہو گئی اور سخت بھوک بھی لگ گئی۔ قاضی دیوث اور کنجر نے ہمیں بلاوجہ پریشان کیا۔ اور اس کے دسترخوان سے ہم بھوکے اٹھ کر آئے اور کہنے لگے کہ جلد کچھ کھانے کو دو کیونکہ بھوک سے جان نکل رہی ہے۔ چنانچہ حضرت والد صاحب نے روٹی اور گوشت پیش کیا۔ تو وہ چٹخارے لے کر کھاتے بھی تھے اور یہ کہتے بھی تھے کہ حضرت آج خوب مزا آیا۔ آج جیسی لذت کبھی نہیں آئی۔ برتن صاف کرنے کے بعد والد صاحب سے کچھ باتیں کرنے لگے۔ ہم نے سمجھنے کی کوشش بہت کی۔ مگر ہم سمجھ نہ سکے۔ صبح جب ہم نے برتن دیکھے تو صاف تھے۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ حضرت والد صاحب کے پاس رات جن آیا کرتے ہیں اور جنات ہی کا ایک اور واقعہ سنیئے۔ پھوپھی صاحبہ ہی بیان کرتی ہیں ایک دفعہ والد صاحب اپنی ہمشیرہ کو رات کے وقت جوڑا پنڈ لے جا رہے تھے۔ پھوپھی صاحبہ گھوڑی پر سوار تھیں۔ اور والد صاحب لگام پکڑے ہوئے آگے آگے جا رہے تھے۔ کہ جب بڑی والی زیارت کے پاس پہنچے تو گھوڑی رک گئی۔ انتہائی کوشش کے باوجود گھوڑی آگے نہ چلی والد صاحب حیرت زدہ ہو کر پیچھے لوٹے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جن اس کو ڈرا رہے ہیں۔ اور آگے جانے سے روک رہے ہیں۔ جب والد صاحب نے دیکھا تو جن زور سے ہنسے والد صاحب نے فرمایا خبیثو یہ کیا کر رہے ہو۔ کہنے لگے ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ کیا آپ ڈرتے تو نہیں۔ اب ہمیں معلوم ہوا کہ آپ بڑے دلیر ہیں۔ حضرت ناراض نہ ہونا اب ہم جا رہے ہیں۔ یہ کہہ کر سلام دے کر چلے گئے۔ پھر حضرت مرحوم آرام و اطمینان سے چل پڑے۔ پھر گھر پہنچ کر گھر والوں کو یہ واقعہ سنایا اور فرمایا رات کو سفر اچھا نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اگر رات کو سفر کرنا پڑے تو دائیں بائیں نہ دیکھے سیدھا چلتا جائے اور کسی آواز پر بھی کان نہ دھرے اور نہ کسی روکنے والے کی روک پر کھڑا ہو۔ کیونکہ یہ بات خطرہ سے خالی نہیں۔

(۵) کہتے ہیں کہ آپ اکثر بنگال جایا کرتے تھے۔ وہاں کے لوگ آپ کے عقیدت مند

تھے۔ وہ آپ کی بڑی خدمت کرتے تھے۔ وہیں سے آپ اچھی معقول رقم لایا کرتے تھے پھر وطن آکر اسی پر گذر اوقات کرتے۔

پھوپھی صاحبہ بیان کرتی ہیں۔ کہ ہمارے گھر ایک دیگ تھی۔ جو چاندی کے روپیوں سے بھری رہتی۔ افسوس بوقت ضرورت اس سے روپے نکال کر خرچ کیئے جاتے تھے بسا اوقات روپے زنگ آلود ہو جاتے تو انہیں پانی سے دھو کر دھوپ میں خشک کیا جاتا تھا اس سے معلوم ہوا کہ دادا صاحب دولت مند افراد میں سے تھے۔ اور انہیں کسی قسم کا معاشی فکر نہ تھا۔

(۶) دادا صاحب ساری زندگی میں خدمت دین کرتے رہے اور اسی کے لئے انہوں نے اپنی زندگی وقف کر رکھی تھی۔ اکثر مسجد میں رہا کرتے پورے شوق سے درس وتدریس کا کام کرتے دور دراز علاقوں کے پٹھان طلبہ آپ کے پاس رہتے اور علم دین حاصل کرتے اور آپ ان کو فی سبیل اللہ پڑھاتے اور لوگوں کو حلال وحرام سے آگاہ فرماتے اور ذریعہ معاش کے لئے کھیتی باڑی کا کام کرتے اور نہایت سادگی سے وقت گذارتے اور سادہ زندگی کو پسند کرتے اور نہایت خوش اخلاق ہونے کے باوجود خوشامد اور چاپلوسی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے اور لوگوں کے ساتھ میل جول پسند کرتے تھے۔ اور خدا کی مخلوق کی دلجوئی کو اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اور بڑے سے بڑے آدمی کو حق کہدیتے تھے۔ سچی بات کرنے میں کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے۔ اور آپ علماء سوء کے لئے ننگی تلوار تھے۔ جب علما کی مجلس میں جاتے تو سب آپ کے سامنے سرنگوں ہو جاتے اور ساری محفل پر آپ چھا جاتے۔ پھر آپ نہایت جرأت ودلیری سے گفتگو فرماتے اور کسی کو آپ کی بات کاٹنے کی جرأت نہ ہوتی۔ آپ مدبر۔ ذہین اور معاملہ فہم شخصیت کے مالک تھے۔ جو قضیہ مدتوں کسی سے حل نہ ہوتا آپ اس کو چند لمحوں میں حل کر دیتے۔ یہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل تھا۔ اور شیخ کامل کی برکت تھی۔ آپ اکثر لوگوں کے جھگڑے اور نزاع چکاتے۔ اور یہ سارے کام صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے کرتے۔

(۷) آپ چونکہ اپنے علاقہ کے مانے ہوئے عالم تھے۔ اس واسطے علاقہ بھر کے جنازوں میں آپ کو شامل ہونا پڑتا۔ اور لوگوں کے صدمہ میں شرکت کو ضروری خیال کرتے اور اس موقعہ پر

اکثر آپ کے ساتھ درس کے طلبا بھی ہوتے۔ علاقہ کے لوگ طلبا کی بڑی خدمت کرتے اور ا
کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ جوڑا پنڈا ایک جنازہ پر شاگردوں سمیت تشریف لے گئے۔ اور
آپ کے ساتھ امان خان علوی بھی تھا یہ دونوں گھوڑوں پر سوار تھے۔ جب آپ میت دفن ہو
کے بعد واپس ہونے لگے۔ تو اس گاؤں کے لوگوں کا طلباء کے ساتھ جھگڑا ہو گیا۔ آپ کے
ساتھ بڑے قوی اور دیو ہیکل طلباء تھے۔ جن کو دیکھ کر ڈر لگتا تھا اور اس گاؤں کے لوگ
بھی بڑے فسادی اور لڑاکے تھے اُن کو اپنی بہادری پر ناز تھا۔ اور ان لوگوں کے ساتھ ا
گردو نواح کے لوگ بھی شامل تھے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ ملاؤں کو مارنا معمولی بات ہے
اور طلباء کے پاس کوئی چیز بھی نہ تھی بالکل خالی ہاتھ تھے اور لوگ پوری تیاری میں تھے۔ کہتے
ہیں جب لوگ خونی درندوں کی طرح ملاؤں پر جھپٹے اور گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ اور
حضرت مرحوم نے بھی ساتھیوں کو اجازت دیدی تو طالب علموں نے انہیں سے لاٹھیاں وغیرہ
چھین کر انہیں بے تحاشا مارا۔ اور مار مار کر کئی ایک موذیوں کو زمین پر گرا دیا۔ اور جو رہ گئے
وہ مقابلہ کی تاب نہ لاتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اب صرف میدان میں طلباء ہی نظر آتے تھے
اور لڑاکا لوگوں میں سے کچھ نذر زمین ہو گئے تھے۔ جو خاک و خون میں قلابازیاں کھا رہے تھے اور
اپنے کئے کی سزا بھگت رہے تھے۔ اور جو باقی تھے وہ بھاگ کر گھروں میں گھس گئے تھے
اور الامان والحفیظ کی صدا لگا رہے تھے۔ حضرت دادا صاحب نہایت دلیری و جرأت کے ساتھ
کھڑے رہے اور آپ کا دوست خان بھی آپ کے ساتھ تھا۔ کہتے ہیں کہ حملہ کے لئے ایک
آدمی آپ کی طرف بڑھا اور آپ اس کے ارادہ کو بھانپ گئے تو اس کے قریب آتے ہی
زور سے ایک لاٹھی اُس کو ماری جس کی تاب نہ لاتے ہوئے وہ دھڑام سے زمین پر گرا
اتنے میں کچھ طلبہ آپ کے پاس پہنچ گئے اور انہوں نے آتے ہی حضرت کی حفاظت شروع
کر دی۔ اس طرح کامیابی کے ساتھ حضرت مرحوم اپنے ساتھیوں سمیت گھر لوٹے۔ اور
فرمایا یہ لوگ بڑے شریر اور فتنہ باز تھے۔ اگر ان کی مدافعت نہ کی جاتی تو یہ ہم سب کو
خراب کرتے اور ہمیشہ کے لئے دلیر ہو جاتے تو ہر وقت ہمیں تنگ کرتے لہٰذا ان کے ساتھ

طلباء کا فساد

ہوا بالکل انصاف کے مطابق ہوا۔ ادھر لوگ جب لڑائی میں ناکام ہوئے
ان کی بدنامی بھی ہوئی کہ ملاؤں سے ہار گئے تو انہوں نے طلبار کے خلاف استغاثہ
۔ چونکہ یہ سارے لوگ خان موصوف کے مزارع تھے۔ اور خان انگریزوں کی طرف
فیصلے کرنے کا مجاز تھا اس وجہ سے یہ دعویٰ دادا صاحب کے دوست خان صاحب
کے پاس دائر کیا گیا۔ چونکہ خان صاحب موقع پر موجود تھا اور پورے حالات سے
ف تھا وہ جانتا تھا کہ اس معاملہ میں لوگوں کی زیادتی ہے طلباء کا کوئی قصور نہیں اس
اسطے اس نے سب گاؤں کے لوگوں کو بلاکر کہا کہ طلبا کے ساتھ راضی نامہ کرو ورنہ میں
ہیں چھ ماہ کی سزا دیتا ہوں اور تم پر جرمانہ بھی کرتا ہوں۔ لوگ بہت گھبرائے اور آخر مجبور
کر انہوں نے حضرت کے طالب علموں سے راضی نامہ کیا اور اپنی جان چھڑائی اور ان لوگوں نے
ر کبھی طالب علموں کو نہ چھیڑا بلکہ ان کی عزت کرنے لگے۔

(۸) ہماری مسجد میں پانی کا کنواں ہے۔ حضرت مرحوم اس کی صفائی اور طہارت کا بہت
ل رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ پانی کی طہارت پر عبادت کا دارومدار ہے۔ اگر پانی ہی پاک
ہوا تو پھر نماز کیسے ہوگی۔ اس واسطے آپ نے یہ التزام کر رکھا تھا۔ کہ کوئی جنبی آدمی ڈول
ہاتھ نہ لگائے۔ اور ہاتھ دھوئے بغیر بھی ڈول کو ہاتھ نہ لگایا جائے۔ اور ڈول نکالتے
ت جوتے بھی اتارے جائیں۔ اور ڈول نکال کر زمین پر بھی نہ رکھا جائے۔ اور نیز عورت
ل ڈھول کو ہاتھ نہ لگائے اور نہ ہی ڈول نکالے۔ اگر کنوئیں پر کوئی مرد ہو تو اس سے
ی نکالنے لکھے ورنہ کہیں دوسری جگہ چلی جائے۔ چنانچہ دادا صاحب کے زمانہ اور
رت والد صاحب کے زمانہ میں پانی بھرنے والے ہاتھ دھوکر جوتے اتار کر کنوئیں سے
ل نکالتے۔ اور آج تک عورتیں ڈول کو ہاتھ نہیں لگاتیں اور نہ ہی ڈول نکالتی ہیں۔ اس
ر آپ کی فقاہت اور فقہ میں گہری نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور یہ بھی پتہ چلتا ہے۔ کہ وہ
ے دین میں کس قدر محتاط تھے۔ اور حفاظت دین کی خاطر ہر تکلیف برداشت کرتے تھے۔
اصلاح عوام میں ہر وقت کوشاں رہتے تھے۔

(۹) دادا صاحب گاؤں کے بچوں کو بھی پڑھایا کرتے تھے اور چھوٹے بچوں کے پڑھانے

میں کوئی عار نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ اس کام کو زیادہ اہمیت دیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ان کو پڑھانا بے حد ضروری ہے۔ بہت سے عالم اس طرف توجہ نہیں کرتے۔ اور ان کو پڑھانے میں شرم محسوس کرتے ہیں۔ یہ ان کی غفلت کی نشانی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک ہمارے گاؤں میں حضرت کے شاگرد موجود ہیں۔ جو مرحوم کا بے حد احترام کرتے ہیں اور حضرت کا نام لیتے ہی ان کی آنکھوں سے آنسو آجاتے ہیں۔ اور ان کے شاگرد اور پاس بیٹھنے والے لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہم نے اپنے استاد کی مثل دین کا بے لوث خادم کوئی نہیں دیکھا۔ ہمارے گاؤں کے ایک خان صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ میں حضرت مرحوم کا شاگرد ہوں اور میں اکثر اوقات ان کے پاس آیا کرتا تھا اور آخر زندگی میں حضرت مجھے مُلا بھی لیتے تھے۔ اور اس کا بیان ہے کہ آپ زندگی کے آخری دنوں میں سالک مجذوب ہو گئے تھے۔ اور اکثر گھر میں رہتے تھے میں جب کبھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ تو مجھے پیار سے فرماتے "اد گمیا ہو یا کہیں قاضی کو نہ خراب کر دینا" (یعنی اے گمراہ کہیں اپنی صحبت سے قاضی (صاحبزادہ صاحب) کو خراب نہ کر دینا) اور میں حضرت کے اس پیار بھرے جملہ کو سن کر قہقہہ لگا کر ہنستا تو حضرت بھی مسکرا جاتے۔ اور پھر گھنٹوں نصیحت آموز کلمات فرماتے اور اٹھنے نہ دیتے اور رخصت کرتے وقت دعائیہ کلمات ارشاد فرماتے اور پھر میں آپ سے رخصت ہوتا۔ اور کئی دنوں تک آپ کی مجلس کا اثر رہتا۔ اور دل میں آپ ہی کا خیال رہتا۔ اور راستہ میں آپ کہیں دیکھ لیتے تو مسکرا دیتے۔ اور میں فرطِ مسرت سے آپ کو سلام کرتا۔ اور پھر آپ پیار سے پوچھتے کدھر جا رہے ہو اور کیا حال ہے۔ اور نیز گاؤں کی بہت سی لڑکیاں آپ کے گھر پڑھا کرتی تھیں۔ آپ گھر والوں کو تاکید کرتے۔ کہ ان کو پوری کوشش سے پڑھایا کریں۔ اور ان بچیوں کے ساتھ کچھ ایسا پیار فرماتے کہ وہ سارا سارا دن آپ ہی کے گھر بیٹھی رہتیں۔ اور اپنے گھر جانے کا نام تک نہ لیتیں۔ اور کھانے کے وقت فرماتے بچیو۔ یہیں سے کھانا کھالو پھر لڑکیاں وہیں کھانا کھاتیں اور وہ حضرت کے گھر کو اپنا گھر تصور کرتیں۔ آج تک ہمارے گاؤں میں وہ عورتیں بھی موجود ہیں کہ جنہوں نے حضرت مرحوم کے گھر پڑھا تھا۔ اور حضرت کو بڑے مولوی صاحب کے نام سے یاد کرتی ہیں۔ اور اب بھی نام لیتے ہوئے شرم و حیا اور ادب و احترام سے جھک جاتی

ں۔ اور آپ کے بابرکت زمانہ کو یاد کر کے روتی ہیں۔

(۲۰) دادا صاحب کو فقہی مسائل میں بے پناہ مہارت تھی۔ اسی واسطے آپ فقیہ العصر کے بلند پایۂ لقب سے مشہور تھے۔ اور آپ مسائل میں بہت تحقیق کرتے تھے۔ اور اس بارے میں حد محتاط تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک داڑھی مونڈھے آدمی نے آپ کی غیر موجودگی میں اذان دی جب آپ کو علم ہوا تو اس کو فرمایا کہ تم نے کیوں اذان پڑھی ہے پھر کبھی ایسا نہ کرنا۔ اگر تمہیں شوق ہے تو اذان کے قابل صورت بناؤ۔ فرمایا کرتے تھے کہ بہت سے ایسے کام ہیں کہ انسان اُن کو معمولی سمجھ کر گذرتا ہے۔ اور ان کے کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا مگر درحقیقت وہ بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔ کہ جن کے کرنے سے آدمی فاسق ہو جاتا ہے۔ مثلاً چلتے پھرتے کھانے کو معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ مگر فقہاء کرام لکھتے ہیں کہ ایسا کرنے سے آدمی فاسق ہو جاتا ہے۔

(۲۱) دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وصال سے تین ماہ پہلے بتا دیا تھا۔ اور ضروری باتوں سے بھی آگاہ کر دیا تھا۔ اور غسل اور نماز جنازہ دونوں کی قبلہ والد صاحب کو خصوصی وصیت فرما دی تھی۔ فرحمہٗ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

چنانچہ حضور قاضی محمد عبدالسبحان صاحب نے ہی آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اور آپ کو جامع مسجد کھلابٹ کی دائیں طرف درخت بوہڑ کے پاس دفن کیا گیا۔ حضرت موصوف کی موجودہ بنی ہوئی قبر حضرت والد صاحب قاضی محمد عبدالسبحان صاحب نے حضرت کے وصال کے کافی عرصہ بعد مؤلف حالات ابوالفتح غلام محمود کے دیکھتے بنائی۔ قبر دریائے کے پتھروں سے بنوائی۔ حضرت والد قاضی صاحب قبر پکی بنانے سے بہت گریز کیا کرتے۔ اور پختہ قبر نہ تو بنواتے تھے اور نہ ہی بنوانے کی اجازت دیتے تھے۔ چنانچہ حضور قاضی صاحب نے اپنے والد ماجد کی قبر دریائے دوڑ کے پتھروں کو مستریوں سے تڑوا کر ان سے قبر بنوائی۔ اور صرف پتھروں کے بیچ ہی میں سیمنٹ لگوایا۔ لپائی سیمنٹ سے کروائی۔ حضور والد صاحب فرماتے تھے کہ میرے والد حضرت محمد مظہر جمیل صاحب حضرت صاحب آبان شریف والوں سے علم ظاہری پڑھ رہے تھے۔ تو اس وقت حضرت

صاحب آوان شریف کے فقر و ولایت کا عام شہرہ نہ تھا۔ مگر حضرت والد صاحب محمد مظہر جمیل صاحب کے آوان شریف سے واپس آنے کے کچھ عرصہ بعد حضرت صاحب آوان شریف کے فقر و ولایت کا شہرہ سنا تو حضور غریب نواز کی خدمت میں خط لکھا جس میں حضور غریب نواز سے آوان شریف میں اپنی حاضری۔ اور آپ سے بیعت کی اجازت مانگی۔ حضرت والد جناب قاضی محمد عبدالسبحان صاحب فرماتے تھے کہ حضور غریب نواز نے اس خط کے جواب میں شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کا یہ شعر لکھا۔

بدریا دُر منافع بے شمار است   وگر خواہی سلامت بر کنار است

یعنی "دریا کے اندر موتی اور فائدے تو بہت ہیں۔ لیکن اگر تم سلامتی چاہتے ہو تو وہ کنارے پر ہی ہے"۔ حضرت والد قاضی محمد عبدالسبحان صاحب فرماتے تھے کہ حضور والد جناب محمد مظہر جمیل صاحب نے حضور غریب نواز کے اس اشارے پر دھیان نہ دیا۔ جو حضور غریب نواز نے شیخ سعدی کا شعر لکھ فرمایا تھا۔ بلکہ سیدھے آوان شریف جا حاضر ہوئے۔ اور حضور غریب نواز سے بیعت کر لی۔ حضرت والد صاحب قاضی محمد عبدالسبحان صاحب ہی فرماتے تھے کہ پھر ایک موقعہ پر حضرت والد جناب محمد مظہر جمیل صاحب نے حضور غریب نواز آوان شریف کی خدمت میں عرض کیا کہ "حضور میری ساری اولاد آپ کے حوالے ہے۔ اس پر حضور غریب نواز نے ذرا ہنس کر فرمایا کہ "مولوی جی ساری اولاد تے حوالے ناں کرو متاں تکلیف نہ ہو جاوے"۔ مگر حضرت والد صاحب جناب مظہر جمیل کے اصرار پر حضور غریب نواز خاموش ہو گئے۔ مؤلف حالات کے والد ماجد جناب قاضی محمد عبدالسبحان صاحب فرماتے تھے۔ کہ حضرت صاحب آوان شریف کا طریقہ عشقِ الٰہی کا طریقہ اور بہت سخت محنت کا طریقہ تھا۔ اور حضرت صاحب بڑی بڑی شاق محنتیں کر کے اس فقر کو حاصل کیا تھا۔ اس کو برداشت کرنا آسان نہ تھا۔ اس لئے حضرت صاحب نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا تھا۔ مگر قبلہ والد جناب محمد مظہر جمیل صاحب کے خیال شریف میں بوجہ فقر و عشق الٰہی کے طریقہ کی طرف انتہائی رغبت و شغف کے وہ بات نہ آئی۔ اور حضور سے بیعت بھی کر لی۔ اور اپنی ساری اولاد کو بھی حضور کے حوالے کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تکلیفیں اور طرح طرح

کی پریشانیاں شروع ہوگئیں۔ چنانچہ بڑی پھوپھی صاحبہ (جن کا مزار موضع داڑی کے قبرستان میں ہے، کے رشتہ کے بارے میں بہت پریشان رہے۔ ان پھوپھی صاحبہ کا رشتہ جناب قاضی صاحب موہڑی والوں کو دیا گیا تھا۔ جو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکا۔ اور بالآخر پریشانیوں پر منتج ہوا۔ ناچاکی واختلاف ہو گیا اور رشتہ منہ دیا جا سکا۔ پھر ان رشتوں کے سلسلہ میں مولوی غلام یحییٰ (کھلابٹ) امام مسجد سٹھالوں والی اور ڈاکٹر سید محمود (چچازاد بھائی) کے ساتھ بھی رنجش و ناراضگی پیدا ہوگئی۔ اور یہ سب قدرتی امر تھا۔ حضرت والد (جناب قاضی محمد عبدالسبحان صاحب) فرماتے تھے کہ میرے والد (جناب محمد مظہر جمیل صاحب) حضرت بابا صاحب قاسم صاحب حضور اعلیٰ موہڑہ شریف کوہ مری کی خدمت میں بھی تشریف لے گئے تھے۔ اور حضرت موہڑوی کی خدمت میں حاضری حضرت صاحب آداں شریف سے بیعت ہونے سے کچھ عرصہ پہلے ہوئی تو حضرت صاحب موہڑہ شریف والوں نے فرمایا کہ چند دن یہاں ٹھہرو۔ اور پھر فرمایا کہ میں تمہیں خلافت بھی دیتا ہوں اور جھنڈا بھی اور اس کے ساتھ روزانہ کا نقدی وظیفہ بھی دست غیب سے تمہیں ملا کرے گا۔ مگر حضرت محمد مظہر جمیل صاحب نے عرض کیا کہ حضرت مجھے ان چیزوں سے رغبت نہیں مجھے تو عشق الٰہی کی ضرورت ہے۔ چنانچہ وہاں سے واپس آ گئے اور پھر عشق الٰہی کی تلاش میں آداں شریف پہنچے۔ اور وہاں سے ایسا عشق خرید لیا کہ قدرتی طور پر مصائب و تکالیف کا سیلاب امنڈ آیا۔ اور تکالیف و پریشانیوں کا جو سلسلہ شروع ہوا۔ وہ آپ پر ہی ختم نہ ہو گیا۔ بلکہ آپ کے صاحبزادے (حضرت قاضی محمد عبدالسبحان صاحب) کی تمام زندگی ان قدرتی پریشانیوں میں گذری اور ہنوز وہ سلسلہ جاری ہے۔ حضرت والد (جناب قاضی محمد عبدالسبحان صاحب) فرماتے تھے۔ کہ میرے والد صاحب نے جو اپنی تمام اولاد حضرت صاحب آداں شریف کے حوالے کر دی تھی۔ اس کا یہ اثر تھا کہ میری ایک ہمشیرہ مجذوب ہو گئی۔ جو اب تک زندہ اور مجذوب ہی ہے۔ حضرت والد (جناب قاضی محمد عبدالسبحان صاحب) یہ بھی فرماتے تھے کہ آداں شریف کا طریقہ بہت سخت ہے۔ میرے والد صاحب سے حضرت صاحب آداں شریف والوں سے بیعت کے بعد روزانہ کے معمولات و وظائف

و مشاغل عملیات بھی چھوٹ گئے تھے۔ اور ان میں کافی فرق پڑ گیا تھا۔

حضرت مولانا محمد مظہر جمیل صاحب کے شاگردان

حضرت فقیہہ اعظم موصوف و مذکور کا حلقہ درس بہت وسیع تھا۔ دور دراز کے طلباء آپ سے استفادہ کے لئے حاضر ہوا کرتے تھے۔ آپ کے طلباء شاگردوں میں مولوی عبداللہ صاحب ساکن مقام پلی ضلع دیناج پور (بنگال) تقسیم ملک کے بعد کئی سال تک زندہ رہی تھے۔ اب ان کے بارے میں معلوم نہیں۔ متولف حالات ابوالفتح غلام محمود کو مولوی عبداللہ صاحب کی حضرت سے نسبتِ شاگردی کا علم پہلے نہ تھا۔ اور جب یہ فقیر مدرسہ رحمانیہ ہری پور میں مدرس تھا تو ان دنوں میں میرے نام رسالہ دارالعلوم دیوبند کسی نے بھیج دیا۔ بعد میں مولوی صاحب نے خط بھی میرے نام لکھا جس میں یہ ظاہر کیا گیا کہ میں تمہارے دادا صاحب کا شاگرد ہوں۔ اور اگر کسی کتاب کی ضرورت ہو تو مطلع کرو۔ یہ رسالہ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند دو سال تک میرے نام جاری رہا۔ حضرت فقیہہ اعظم کے شاگرد بہت وفادار ہوتے تھے۔ خود شیخ الاسلام جامع شریعت وطریقت آفتاب پاکستان حضرت والد (قاضی محمد عبدالسبحان صاحب) بھی یہ بات فرمایا کرتے تھے۔ کہ میرے شاگرد اتنے وفادار نہیں جتنے کہ حضرت والد (فقیہہ اعظم) صاحب کے تھے۔ حضرت فقیہہ اعظم کے شاگردوں میں مولوی حکیم فضل الرحمٰن صاحب ساکن باہنڈی منیم علاقہ خانپور ضلع ہزارہ بھی تھے۔ جو بعد تک زندہ رہے۔ اور اکثر کھلابٹ آیا کرتے تھے اور رہا کرتے تھے۔ خدا بخشے بہت زندہ دل آدمی تھے۔ متولف ناچیز ابوالفتح غلام محمود کو بچپن میں کاندھوں پر اٹھا لیا کرتے تھے اور ہمیشہ یہ کہا کرتے تھے کہ میرے لئے دعا کرو۔ ایک بچے سے طالب دعا ہونا ان کی عقیدت کا مظہر تھا۔ جو ان کو اس خاندان سے تھی۔ حضرت والد صاحب کا بہت احترام کرتے تھے۔ بہت زندہ دل آدمی تھے مجلس میں اکثر طلباء کو اپنی گفتگو سے ہنساتے رہتے تھے۔ ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ اور اپنے گاؤں باہنڈی منیم میں دفن کئے گئے ہیں۔ حضرت فقیہہ اعظم کے شاگردوں میں پٹھان حکیم صاحب (جراب موضع کھوئی مرہ

ضلع میرپور آزاد کشمیر میں مقیم اور اس علاقہ میں طب و حکمت کے اندر مشہور ہیں) بھی ہیں۔ میں (مؤلف حالات ابوالفتح غلام محمود) جب جہلم آیا تو انہوں نے مجھے خط لکھ کر یہ بات بتائی کہ میں آپ کے جدامجد کا شاگرد ہوں۔

خدا کے فضل و کرم سے اس خاندان کا فیض مشرق و مغرب تک پھیلا ہوا ہے۔ کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں اس خاندان کا فیض یافتہ موجود نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں پر خصوصی رحمت فرمائے۔ کیا دین کی خدمت کر گئے ہیں۔

حضرت فقیہ اعظم کے زمانہ میں کھلابٹ کے اندر نماز جمعہ ادا نہیں کی جاتی تھی۔ مگر بروز جمعہ وعظ ہوا کرتا تھا۔ یاد پڑتا ہے کہ غالباً والد صاحب نے فرمایا تھا کہ یہ وعظ بروز جمعہ صبح کی نماز کے بعد ہوا کرتا تھا۔

فقیہ العصر حضرت مولانا محمد مظہر جمیل صاحب کی تاریخ وصال معلوم نہیں ہو سکی۔ قریباً ۲۰ سال پہلے آپ کا انتقال ہوا تھا۔ اور آپ کو حضرت کی مسجد کی دائیں طرف دفن کیا گیا۔

محدثِ عصر حضرت مولانا محمد خلیل صاحب کے حالات

حضرت مولانا محمد خلیل صاحب محدث شیر سرحد شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد غوث صاحب کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ والد صاحب فرماتے تھے کہ آپ بہت خوبرو اور خوش خصال تھے۔ دس پارے قرآن پاک یاد تھا۔ عموماً روزانہ پڑھ دیتے تھے۔

آپ نے دورہ حدیث حضرت مولانا احمد حسن صاحب کانپوری علیہ الرحمۃ سے کیا تھا۔ حدیث میں وافر علم پایا تھا۔ تمام عمر حدیث ہی پڑھاتے رہے۔ یہ حضرت مؤلف حالات ابوالفتح غلام محمود کے حقیقی نانا ہوتے ہیں۔ میرے والد صاحب کی شادی اپنے معزز و مہربان چچا یعنی حضرت موصوف کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔

حضرت موصوف کی اپنی شادی تربیلہ کے ایک معزز خاندان میں مرکزی بستی موضع تربیلہ کے بازار والی بڑی جامع مسجد کے عالم کی لڑکی سے حضرت مولانا محمد غوث صاحب کی زندگی میں ہوئی تھی۔ جو کہ ہماری نانی ہوتی ہیں۔

حضرت موصوف کے ان کے بطن سے سات لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ قضائے الٰہی سے تین لڑکے ایک ہفتہ کے اندر چیچک کی مہلک بیماری سے انتقال کر گئے۔ اور دوسرے بھی۔ کوئی خسرہ کی بیماری سے اور ایک بچپن میں آلو بخارا گلے میں پھنس جانے کی وجہ سے اور یونہی دوسرے قضائے الٰہی سے انتقال کر گئے۔ صرف ایک لڑکی باقی رہ گئی جس کی انہوں نے ہمارے والد صاحب سے شادی کر دی۔ موصوف کے صاحبزادوں (جو کہ ہمارے رشتہ میں ماموں ہوتے ہیں) کی قبریں کھلابٹ کے مشہور قبرستان بیریاں میں جنازہ گاہ کے مقام سے جنوب کی طرف قبرستان کے کنارے پر جنازگاہ کے قریب ہی واقع ہیں۔

محدث صاحب موصوف نے اپنی تمام زندگی درس حدیث و قرآن اور عبادت میں گذاری بہت متقی۔ عبادت گذار اور صائم الدھر بزرگ تھے۔

آپ کا حلقہ درس بہت وسیع تھا۔ دور و نزدیک کے لوگ آپ سے فیض یاب ہوئے۔ آپ کے نرم اخلاق کی وجہ سے بہت سے لوگوں نے بآسانی آپ سے فیض پایا ہے۔ آپ کے شاگردوں میں سے اب بھی بعض لوگ موجود ہیں۔ مثلاً مولوی عبدالحکیم صاحب ساکن داڑی۔ اور مظفر خان صاحب ساکن کھلابٹ وغیرہ۔ جو آپ سے فارسی وغیرہ پڑھتے رہے ہیں۔ یہ لوگ اب بھی محدث صاحب موصوف کو ہمیشہ یاد کر کے افسوس کرتے رہتے ہیں۔ سنا ہے کہ آپ نے دوسری شادی موضع ڈھینڈہ سے کی تھی۔ مگر اس سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔

تمام بیٹوں کے یوں انتقال کر جانے کا آپ کے دل پر بہت اثر ہوا۔ جس سے آپ بہت رنجیدہ رہنے لگے۔ چونکہ کسی کام میں آپ کی طبیعت نہیں لگتی تھی۔ حج بیت اللہ شریف کی تیاری فرمائی اور ہمارے کنوئیں سے نیچے کالا خان پٹھان کے باغ سے اس طرف جو ساڑھے پانچ کنال زمین بند کے نام سے موسوم ہے غالباً حضرت موصوف ہی کی خرید کردہ تھی۔ یہ عبدالرحمٰن برہمی پر مبلغ پانچ صد روپے میں رہن کر دی اور روپیہ لے کر حج کے لئے تیاری فرمائی۔ رخصت کے وقت لوگوں نے کہا یہ "خدا آپ کو بسلامت واپس لائے" فرمایا یہ دعا مت کرو۔ بلکہ یہ دعا کرو کہ اب خدا مجھے ہمیشہ وہیں عرب میں رکھے۔

حضرت کی یہ دعا ایسی مقبول ہوئی۔ کہ حج بیت اللہ سے فراغت کے بعد آپ کو وہیں

بخار ہوا۔ اور اسی بخار سے آپ مکہ معظمہ میں ہی انتقال کر گئے۔ خدا کی ان پر ہزار ہزار رحمتیں ہوں۔ آپ نے اپنے بعد ایک بیوہ یعنی ہماری نانی صاحبہ اور ایک صاحبزادی یعنی ہماری والدہ چھوڑیں۔ ہماری نانی صاحبہ بہت پرہیز گار اور عبادت گذار تھیں۔ اکثر اوقات۔ نوافل، تہجد۔ قرآن مجید کی تلاوت۔ نور نامہ، دعائے عکاشہ۔ وغیرہا اوراد و وظائف پڑھتی رہتی اور اکثر روزہ سے ہوتی تھیں۔ ہر ماہ ایام بیض۔ یعنی تیرھویں۔ چودھویں۔ پندرھویں۔ اور جمعہ جمعرات کا روزہ تو خاص طور پر قضا نہ ہوتا تھا۔ حضرت موصوف کے زمانہ میں تو دو دو بھینسیں رکھی ہوتی تھیں اور دودھ مکھن، گھی کی ریل پیل تھی۔ مگر حضرت کے وصال کے بعد نانی صاحبہ نے بقیہ تمام عمر زہد اور فقر میں گذاری ہے۔ خدا ان پر رحمت کرے۔

ہماری نانی صاحبہ مرحومہ بچپن میں ہمیں اپنے خاندانی بزرگوں کے واقعات سنایا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ سنایا تھا کہ میرے نانا صاحب بہت بڑے بزرگ اور صاحب کرامات تھے آپ نے ایک دفعہ کسی وجہ سے دیوار دوڑا دی تھی۔ اور ایک دفعہ اپنے گھر میں درخت بیر کے نیچے مصلّے بچھائے بیٹھے تھے کہ کسی بچے نے بیر پر پتھر دے مارا۔ فرمایا "شالا کریں سُک وِنجیں۔ چنانچہ پھر جلدی ہی وہ درخت سوکھ گیا۔"

نانی صاحبہ کا خاندان ایک علمی اور بزرگ خاندان تھا۔ علم فقہ میں یہ بزرگ بہت مشہور تھے۔ نانی صاحبہ کا انتقال ۱۹۵۶ء میں موضع کھلابٹ میں ہوا۔ آپ تمام عمر بڑے اچی صاحب والے مکان میں جو کہ آپ کے چھوٹے صاحبزادے مولانا محمد خلیل صاحب کو ورثہ میں ملا تھا رہیں اور پھر وہیں سے آپ کا جنازہ اٹھایا گیا۔ حضرت والد صاحب نے جنازہ پڑھایا۔

مؤلف حالات (ابوالفتح غلام محمود) اس وقت اشرف المدارس اوکاڑہ میں صدر مدرس تھا۔ نانی صاحبہ مرحومہ کو کھلابٹ کے مشہور قبرستان بیریاں میں سپرد خاک کیا گیا۔ خدا ان پر رحم کرے۔

مولانا محمد مظہر جمیل صاحب

صاحبزادہ قاضی محمد عبدالسبحان	دختر	دختر	دختر
مرحوم	مرحومہ	موجودہ	موجودہ
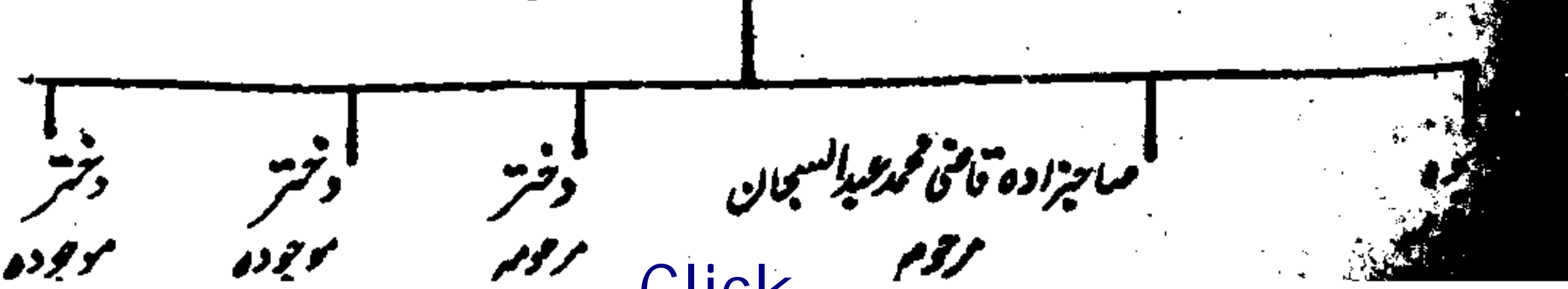
مولانا محمد منظہر جمیل صاحب فقیہہ العصر کی شادی موضع چھچھہ پنڈ میں مولانا عبدالغفور صاحب ہزاروی قم وزیر آبادی کی پھوپھی صاحبہ سے ہوئی تھی۔ اس لئے مولانا عبدالغفور صاحب ہزاروی ہمارے والد صاحب کے حقیقی ماموں کے بیٹے ہیں۔ ہماری دادی صاحبہ کو داڑی کے مشہور قبرستان میں بڑے اجی صاحب کے پہلو میں دفن کیا گیا ہے۔ اور ہماری بڑی پھوپھی صاحبہ جنہوں نے تمام عمر شادی نہیں کی تھی اور تمام عمر زہد و تقویٰ اور عبادت میں گذار دی۔ اکثر روزے سے ہوتی تھیں۔ ہر ماہ میں ایام بیض اور جمعہ۔ جمعرات کے روزے کا ناغہ نہ ہوتا تھا۔ تہجد بھی ہمیشہ پڑھا کرتی تھیں۔ خدا بخشے اکثر ہمیں بچپن میں باتیں سنایا کرتی تھیں۔ بہت خوش مزاج اور خوش طبع تھیں۔ کسی سے کچھ مانگنے کو پسند نہیں کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ اپنے بڑے بھائی ہمارے والد صاحب سے بھی کچھ کہنا دنیا کے معاملات میں پسند نہ تھا۔ محلے کی بچیوں کو ہمیشہ قرآن پاک پڑھایا کرتی تھیں۔ اور یہ محلے کی بچیاں ان کی خدمت بھی کرتی تھیں۔ فصل کے موقعہ پر غلہ والد صاحب ان کو پہنچا دیا کرتے تھے۔ بڑی پارسا خاتون تھیں۔ خدا رحمت کرے۔ ان کے انتقال پر میں (مؤلف حالات ابوالفتح) پھوٹ پھوٹ کر بہت رویا تھا۔ آپ کو داڑی کے قبرستان میں ان کی والدہ صاحبہ کے پہلو میں دفن کیا گیا ہے۔

مرحومہ سے چھوٹی بہن کی شادی اپنے پھوپھی زاد قاضی محمد حسین صاحب موضع ڈھینڈہ والوں سے ہوئی۔ جن سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ اور بہت دعاؤں اور منتوں و نذروں کے بعد ایک لڑکا پیدا ہوا۔ مگر افسوس کہ زندہ نہ رہ سکا اور کچھ عرصہ کے بعد انتقال کر گیا لڑکیوں میں سے ایک پر فالج گرا وہ بے کار ہو کر کچھ عرصہ زندہ رہنے کے بعد فوت ہوئی اور دوسری کی شادی ان کے پڑوسی اور قاضی محمد حسین صاحب مرحوم کے رشتہ دار خان صاحب کے لڑکے سے ہوئی۔ اور کچھ عرصہ زندہ رہ کر بغیر اولاد ہی فوت ہو گئی۔ ہماری پھوپھی صاحبہ کی قسمت میں کچھ اسی طرح لکھا ہو گا۔ بہت پریشان حال ہے بےچاری۔ قاضی محمد حسین صاحب نے نرینہ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے دوسری شادی قاضی شمس الدین صاحب درویش والوں کی ہمشیرہ سے کر لی تھی جس سے دو لڑکے پیدا ہوئے۔ بدرالدجیٰ اور شمس الضحیٰ جو اب زندہ موجود ہیں اور اچھے ہشیار اور پڑھے لکھے ہیں۔ بڑے کی شادی بھی ہو چکی ہے۔ قاضی محمد حسین صاحب

پھوپھی صاحبہ سے شادی کر لینے کے بعد کھلابٹ رہ کر حضرت والد صاحب سے
درس نظامی کی چند کتابیں بھی پڑھی تھیں قاضی محمد حسین صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ ڈھینڈہ
اور حویلیاں میں بڑی جائیداد کے مالک تھے۔

ہماری تیسری پھوپھی صاحبہ جو تاحال حیات ہیں۔ مجذوبانہ طبیعت رکھتی ہیں۔ کسی سے
میل ملاپ اور مجلس و گفتگو کو پسند نہیں کرتیں۔ زاہدانہ قسم کی زندگی گذار رہی ہے۔ شادی
نہیں ہوئی۔

حالات زندگی حضرت قاضی صاحب مرحوم

حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ۱۸۹۸ء میں ہری پور
ہزارہ کے ایک مشہور گاؤں کھلابٹ میں خاندان قریش کے ایک شہرہ آفاق علمی خاندان
میں ہوئی۔

حضرت مرحوم کی پیدائش سے پہلے آپ کے والد مولانا محمد مظہر جمیل رحمۃ اللہ علیہ کے گھر
ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام عبد الغنی رکھا گیا۔ یہ لڑکا کچھ عرصہ کے بعد فوت ہو گیا جس کی
وفات سے والدہ کو بے حد صدمہ ہوا۔ وہ ہر وقت روتی رہتیں۔ جب آپ کے دادا حضرت
مولانا محمد غوث صاحب رحمۃ اللہ اپنی بہو کو پریشان دیکھتے تو فرمایا کرتے۔ بیٹی مت رویا کرو
اللہ تعالیٰ تجھے لڑکا دے گا جو دینی کتابوں کا وارث ہو گا۔ مگر میں نہیں ہوں گا۔ چنانچہ
اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندہ کی پیش گوئی کو حرف بحرف پورا کیا کہ کچھ عرصہ کے بعد حضرت
مولانا محمد غوث صاحب مرحوم کا وصال ہو گیا۔ اور حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش
ہوئی اور واقعی آپ دادا مرحوم کی کتابوں کے وارث ہوئے۔ اور اپنے علمی کارناموں سے
لوگوں کو سیراب کیا۔

تحصیل علم اور اساتذہ کرام

ایک جید اور نامور قاری صاحب جو ضلع کیمبل پور کے رہنے والے تھے حضرت قاضی صاحب

نے ان سے قرآن مجید پڑھا۔ پھر ابتدائی چند کتابیں والد صاحب سے پڑھیں۔ کچھ فارسی نظم کی کتابیں ڈاکٹر عبداللہ خان مرحوم سے پڑھیں اور علم طب بھی ان ہی سے حاصل کیا۔

ڈاکٹر عبداللہ خان صاحب

یہ ڈاکٹر صاحب موضع کانڈل (جو کھلابٹ کے متصل ایک چھوٹا سا گاؤں ہے) کے رہنے والے تھے۔ خواجہ محمد صدیق صاحب متوگی نقشبندی کے خلیفہ مجاز تھے اور نہایت زاہد و عابد اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ زہد و تقویٰ اور سخاوت میں بے نظیر شخصیت کے مالک تھے ڈاکٹری اور طب یونانی میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ دورِ جوانی میں سول سرجن رہ چکے تھے۔ سخاوت کا یہ عالم تھا کہ جب گھر پنشن لے کر آئے تو مقروض تھے۔ ان کی یہ عادت تھی کہ بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں اور نادار لوگوں کو مال نہ دیا کرتے تھے۔ فارسی میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ فارسی اردو۔ پنجابی۔ پوربی زبانوں پر کامل عبور تھا۔ بلکہ ان زبانوں کے بلند پایہ شاعر تھے۔ مندرجہ ذیل کتابوں کے مصنف بھی تھے۔

(۱) مسدس کریما۔ یہ فارسی منظوم کلام ہے اور کلام سعدیؒ پر تضمین ہے۔

(۲) مخمس محمود نامہ یہ بھی فارسی کلام ہے اور اصل کتاب پر تضمین ہے

(۳) تحفہ حکیم۔ (۴) گلشن حکیم۔ یہ دونوں بھی فارسی منظوم کلام ہے اور حضرت سعدیؒ شیرازی کے طرز کا کلام ہے (۵) نغمۃ الانام یہ پنجابی نظم ہے (۶) قصہ حضرت ایوب نبیؑ یہ بھی پنجابی کلام اور منظوم ہے۔ (۷) رفیقِ سالک یہ فارسی نثر میں ہے اور اس میں اسلامی تصوف کے مسائل ہیں۔ موقع بر موقع اشعار بھی ہیں۔ (۸) سفر نامہ حجاز۔ اس میں حرمین شریفین کے سفر کے مفصل حالات ہیں۔ اردو کلام ہے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کی تمام تصنیفات مطبوعہ ہیں۔ اگرچہ اب نایاب ہیں۔ مگر ان میں سے بعض ہمارے کتب خانہ میں موجود ہیں۔

میں نے خود والد صاحب سے سنا کہ فرماتے تھے کہ میرے استاد محترم بے حد وجیہہ اور رعب دار شخصیت کے مالک تھے۔ اور پر انوار چہرہ والے تھے۔ اور بے حد کوشش کے باوجود چہرہ کی طرف دیکھا نہیں جا سکتا تھا۔ اور یہ بھی میں نے حضرت والد سے سنا تھا کہ جب ڈاکٹر صاحب کا آ

آیا تو مجھے بلا یا اور کچھ وصیتیں فرمائیں۔ پھر میری موجودگی میں آپ کو نزع کی تکلیف شروع ہو گئی۔ اور حضرت کو ایک دن یہ تکلیف رہی اور اس قدر شدید تکلیف رہی۔ کہ جملہ حاضرین حیران رہ گئے اور میں بھی پریشان ہوا۔ اور اس سوچ میں پڑ گیا کہ وجہ کیا ہے۔ یہ تو خدا رسیدہ انسان ہیں۔ ان کو اس قدر تکلیف کیوں ہو رہی ہے۔ جب حضرت کا انتقال ہوا تو پہلی رات مجھے خواب میں فرمایا قاضی جی مجھ پر یہ تکلیف حال کی وجہ سے تھی۔ ابتلاء معصیت کی وجہ سے نہ تھی۔ آپ کے اس پر معنی ارشاد سے میری تسلی ہو گئی۔ والد صاحب مرحوم نے ہی آپ کو غسل دیا اور تجہیز و تکفین کا اہتمام و انتظام کیا۔ آپ کا مزار موضع کانڈل میں اس گاؤں کے قبرستان میں ہے کہ جو بر لب سڑک ہے۔

مولانا عبداللہ صاحب استاد ۲

حضرت قاضی صاحب نے رسائل منطق حضرت مولانا عبداللہ صاحب سے پڑھے۔ یہ مولانا موضع پڑھانہ کے رہنے والے تھے۔ پڑھانہ کھلابٹ سے دو میل کے فاصلہ پر بر لب سڑک ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ یہ سڑک ہری پور کو جاتی ہے۔ حضرت قبلہ ہر روز سبق پڑھنے کے لئے وہاں جایا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میرے استاد مولوی عبداللہ صاحب ابتدائی کتابیں پڑھانے میں اور طالب علم کو چلانے میں بڑے ماہر اور تجربہ کار تھے۔ اور بے حد کے متقی تھے۔ ویسے بڑے مشفق اور کرم فرما تھے۔ پڑھاتے وقت بے حد سخت گیر تھے کسی قسم کی رعایت نہیں کرتے تھے یہی وجہ تھی۔ کہ آرام پسند طلبا ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے چند روز میں بھاگ جاتے تھے۔ میرے ساتھ ان کو بے حد محبت تھی۔ مگر پڑھاتے وقت سب سے زیادہ مجھ پر سختی کرتے تھے۔ اس قدر رعب تھا کہ پاس جاتے وقت ان کو دیکھتے ہی پسینہ آجاتا۔ جب ان کی سختی کو دیکھتا تو کئی بار ارادہ ہوتا کہ کہیں بھاگ جاؤں۔ مگر ان کی محنت اور خلوص ارادہ روک دیتا۔ اگر ذرا بھی آنے میں دیر ہو جاتی تو سخت ناراض ہوتے اور فرماتے صاحبزادے کسی کام کے نہیں ہوتے اور پھر یہ جملہ ارشاد فرماتے۔ اعوذ باللہ من البان والکان۔ یعنی میں بان اور کان سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ بان سے مراد وہ

ہیں جن کے آخر میں لفظ بان آتا ہے جیسے تانگہ بان۔ شتربان۔ کشتی بان وغیرہ اور گان سے مراد بھی وہ ہیں کہ جن کے آخر میں لفظ گان آتا ہے جیسے صاجزادگان۔ یہ حضرت بہت ذہین تھے۔ ان کی ذہانت کا ایک واقعہ جو میں نے قبلہ والد صاحب کی زبانی سنا سپرد قلم کرتا ہوں۔ لو واقعہ سنیئے اور خود اندازہ لگائیے کہ واقعی آپ کس قدر کے ذہین تھے۔

کہتے ہیں ایک دفعہ کسی عرس کے موقعہ پر چھوہر شریف میں علماء اور طلباء کا اجتماع ہوا اس اجتماع میں حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب موضع کوکل والے بھی شریک تھے۔ یہ علم نحو کے بلند پایہ عالم تھے۔ اکثر کتب نحو ان کو زبانی یاد تھیں اور بڑے عظیم الجثہ اور بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ جب مولانا نے طلبہ کا یہ اجتماع دیکھا تو ان سے مخاطب ہو کر کہنے لگے او طالب کیا پڑھتے ہو۔ طالب علموں نے مختلف کتابیں بتائیں۔ پھر حضرت مولانا کہنے لگے ضرب زیدٌ کی کیا ترکیب ہے۔ نحو کے قاعدہ کے مطابق انہوں نے کہا ضرب فعل اور زید فاعل ہے۔ پس مولانا نے ان کی ترکیب پر یہ اعتراض کیا کہ لفظ زید فاعل ہے یا معنی زید فاعل اگر یہ کہو کہ لفظِ زید فاعل ہے۔ تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ لفظ زید نے تو نہیں مارا اور اگر کہو معنی زید فاعل ہے تو اس پر تعریف فاعل کی صادق نہیں۔ اب بتاؤ تم کیا کہتے ہو۔ مولانا کے اس اعتراض کو سن کر سارے طلبہ محو حیرت ہو گئے اور سب پر سکوت طاری ہو گیا۔ جب حاضرین میں سے کسی نے کوئی جواب نہ دیا تو مولانا نے ان کے درمیان پھرنا شروع کر دیا۔ اور ہر ایک کے پاس جا کر باری باری پوچھنے لگے پھر بھی کسی نے کوئی جواب نہ دیا جب آخر کار حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب مولانا عبداللہ صاحب کے پاس سے گزرے تو ان سے دریافت فرمایا کہ تم بتاؤ انہوں نے بلا جھجک فرمایا کہ نحویوں کے نزدیک تو لفظ زید فاعل ہے۔ اور تمہارے نزدیک معنی فاعل ہوگا۔ جب مولانا نے یہ جرأت مندانہ جواب سنا تو فرمایا او طالبا تو تے بڑا ڈھڈ اریں۔ یعنی اے طالب علم تم تو بڑے دلیر ہو۔

قبلہ والد صاحب کے باقی اساتذہ کرام کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

(۱) مولانا صاحب موضع گرمعان والے (۲) حضرت مولانا قطب الدین صاحب غور غشتوی (۳)

لانا شیر بہادر صاحب نوگئی (۴) مولانا صاحب موضع النعی والے (۵) مولانا عبد الباقی صاحب۔ (۶)
مولانا سید حکیم برکات احمد صاحب ٹونکی (۷) مولانا عبد السمیع صاحب (۸) مولانا
نسیم صاحب (۹) حضرت مولانا محمد خلیل صاحب محدث ہزاروی۔

حضرت مولانا صاحب موضع گرہان والوں کے پاس حضرت والد صاحب کچھ عرصہ
ہتے رہے۔ یہ مولانا غوث زماں حضرت خواجہ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی قدس
سرہ کے ممتاز اور خصوصی تلامذہ میں سے تھے۔ کہتے ہیں مولانا صاحب عرصہ آٹھ سال
حضرت صاحب سے پڑھتے رہے اور اس مدت میں صرف فن منطق حاصل کیا۔ گرھان
ھلابٹ سے مغرب کی طرف تقریباً چار کوس کی مسافت پر ایک گاؤں ہے۔

علامہ زماں حضرت مولانا قطب الدین صاحب یہ بہت بلند پایہ فاضل تھے۔ اور
علوم میں یگانۂ روزگار تھے۔ اور بے حد صاحب فیض تھے۔ بے شمار لوگ ان سے
فیضیاب ہوئے اور درجہ کمال تک پہنچے۔ حضرت والد صاحب نے زیادہ تر ان ہی سے
استفادہ کیا۔ والد صاحب ان کو ہمیشہ یاد کیا کرتے تھے۔ اور بڑے احترام سے نام پکارتے
اور نام لیتے وقت جھوم جاتے تھے۔ اور چہرے پر آثار بشاشت چھا جاتے تھے۔
جب مولانا ریاست مینڈھر (جو کہ ہندوستان میں ایک ریاست تھی) تدریس کے لئے
چلے گئے تو والد صاحب کو بھی کمال شفقت کی بنا پر ساتھ لے گئے۔ والد صاحب فرمایا
کرتے تھے کہ حضرت الاستاذ میرے ساتھ بے حد پیار کرتے تھے۔ یہاں تک کہ میرے بغیر کھانا
نہ کھاتے تھے۔ الغرض حضرت مولانا آپ کے بڑے مشفق اور قابل قدر استاد تھے۔

(۱۰) حضرت مولانا شیر بہادر صاحب یہ بھی والد صاحب کے استاد تھے۔ یہ حضرت
مولانا خان بہادر صاحب جو آج کل ریاست سوات میں دار العلوم حقانیہ میں شیخ الحدیث
بھی تھے۔

(۱۱) مولانا ضلع گجرات موضع النعی کے رہنے والے تھے۔ اور بڑے مشہور فاضل تھے
جب ان کی شہرت سن کر ان کے پاس پڑھنے گئے اور چند مہینے مولانا سے استفادہ
کیا۔ مولانا کشف و کرامت کے مالک تھے اور نہایت پاک باز اور راست گو

انسان تھے۔ اور نہایت سادہ مزاج رکھتے تھے اور لباس بھی معمولی پہنتے تھے۔ نہایت صاف آدمی تھے۔

فہرست مضامین

سوانح مہریہ

تصنیف ۔ مولانا غلام سرور جادری

اس کتاب میں غوث دوراں علامہ زماں خواجہ پیر سید مہر علی شاہ صاحب رحمۃاللہعلیہ کے حالات زندگی تفصیل سے بیان کئے ہیں، معتقدین حضرات کے لئے اس کا مطالعہ نہایت ضروری ہے ۔

کاغذ سفید ھدیہ ۔ ۱۴ پیسے صرف

ملنے کا پتہ

- کتب خانہ غوثیہ مہریہ جی ٹی روڈ جادہ جہلم
- دفتر جمعیۃالعلماء پاکستان جادہ جہلم
- مکتبہ اسلامیہ گنج بخش روڈ لاہور

Legend

Populated Places

densely built-up
moderately built-up
industrial area, commercial area
multistory building; important building
buildings

Lines of Communications

autobahn, divided highway, lay-by, under construction
elevated highway
all-weather road, hard surface, 6 m wide or more
route markers autobahn, European international; national
all-weather road, hard surface, 4 to 6 m wide
all-weather road, loose surface
fair or dry-weather road, loose surface
footpath, fire lane
track trail, corduroy road
tunnel, road, railroad
railroad normal gauge, multiple track, station
railroad normal gauge, single track, halt
railroad: narrow gauge, cog railroad
streetcar, industrial railroad
aerial cableway suspended monorail people; material
bridge, footbridge
vehicular ferry passenger ferry

Boundaries

international
Inner German
"Land"
"Regierungsbezirk"
"Kreis"
training area
nature reserve

Miscellaneous Cultural Features

levee, dike: carrying road, no road
cut, undermined ground
powerline, 110 kv and more
church: one spire; two or more spires; triangulation station
cemetery, chapel, church without spire
lighthouse light; beacon
castle; monument
ruins of a castle; abandoned bunker
sewage disposal plant; well; water tank
radio facility; tower; triangulation station
chimney isolated; coincident with building; triangulation station
airfield, mine active; inactive
windmill; cave, barrow
mound: with hedge; without hedge
prominent tree
quarry; pit; sinkhole
camping ground; ski-jump; sports ground
triangulation station with elevation; spot elevation

Relief

Légende

Lieux habités

à constructions serrées
à constructions espacées
zone industrielle zone commerciale
maison tour, bâtiment officiel
bâtiments

Voies de communication

autoroute, route à deux voies, parking en ...
route surélevée
grande route, 6 m ou plus de large
numéro de route (autoroute route européen...
route secondaire, 4 à 6 m de large
chemin carrossable, à revêtement léger
chemin d exploitation
sentier, raie
sentier alpin, piste sentier à travers le vey
tunnel routier, tunnel ferroviaire
chemin de fer à voie normale à deux voies ou
chemin de fer à voie normale à voie unique p
chemin de fer à voie étroite funiculaire
tramway, chemin de fer industriel
téléphérique, chemin de fer suspendu personn
pont passerelle
bac pour voitures bac pour piétons

Limites

frontière d'État
frontière interallemande
limite de "Land"
limite de "Regierungsbezirk"
limite de "Kreis"
limite de terrain d'entraînement ou de manœuv
limite de réserve naturelle

Signes divers

digue carrossable, non carrossable
déblai, terrain instable au-dessus de mines
ligne à haute tension, 110 kV et plus
église à clocher unique, à clochers multiples
cimetière; chapelle, église sans clocher
phare, feu; balise
château, château fort; monument
ruine de château, ruine de château fort casei
station d'épuration; puits; réservoir d'eau
poste d'émission, tour; tour qui est point géo
cheminée: isolée; intégrée; point géodésique
aérodrome: mine en exploitation; abandonné
moulin à vent; grotte; tumulus
petit remblai avec haye; sans haye
arbre bien en vue
carrière; fosse; doline
terrain camping, tremplin de ski; terrain de
point géodésique avec cote; point coté

Figuré du terrain